سیرت اعلیٰ حضرت

﴿تصنیف لطیف﴾

شہزادۂ استاذ زمن حضرت علامہ مولانا

محمد حسنین رضا خاں

صاحب بریلوی علیہ الرحمہ

﴿ناشر﴾

امام احمد رضا اکیڈمی صالح نگر بریلی شریف

سلسلۂ اشاعت نمبر...(۶۱)

نام کتاب : سیرت اعلیٰ حضرت

مصنف : حضرت علامہ مولانا حسنین رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ

بتعاون : حضرت مولانا مقصود احمد گجراتی، صاحب دیوز بری (یوکے)

کمپوزنگ وسیٹنگ: مولوی شفیق احمد☆محمد منیف رضا خاں برکاتی

سنِ اشاعت : ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۲ء

تعداد : ۱۱۰۰ (گیارہ سو)

ملنے کے پتے

☆ کتب خانہ امجدیہ، ۴۲۵، مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶

☆ رضا اکیڈمی ۵۲، ڈونٹاڈ اسٹریٹ، ممبئی ۹

☆ اعلیٰ حضرت دار الکتب، نو محلّہ مسجد بریلی شریف

☆ حق اکیڈمی مبارک پور، اعظم گڈھ یوپی
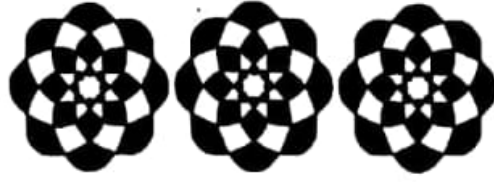
انتساب

استاذ زمن حضرت مولانا محمد حسن رضا خاں بریلوی

کے نام

جن کی عظمت اور فکر و فن کی گواہی حسرت موہانی نے دی

اور

جو امام احمد رضا کے محبوب برادر اور پسندیدہ شاعر تھے

سید محمد مظہر قیوم

سید محمد امام الدین حنبلی القادری

28/1/2013
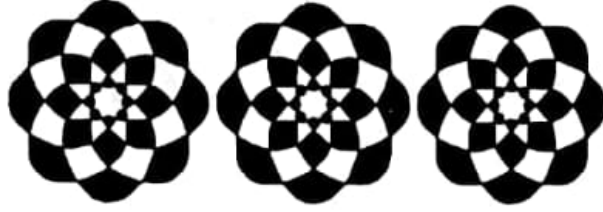
عکس

فاضل مصنف علامہ حسنین رضا خاں صاحب کے مسودات کے متفرق صفحات

نقل ہجو

۴۸

دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور — اے میں فدا لگا کر ایک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں

باغ میں شکر وصل تھا ہجر میں ہائے ہائے گل — کام ہے ان کے ذکر سے خیر وہ یوں ہوا کہ یوں

جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے

لا اسے پیش جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

یہ پوری غزل اسی ردیف میں قافیہ اور فرق سے مرزا غالب نے لکھی ہے اس کا مقابلہ میں منظر اعلیٰحضرت قبلہ نے نعت شریف میں لکھا ہے ان سے بھی چند اشعار ملاحظہ ہوں

استاد شہیر مرزا غالب

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں — روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں — بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں — موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

حسن اور اس پہ حسن ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم — اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیوں

واں وہ غرور عز و ناز یاں یہ حجاب پاس وضع — راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی — جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں

روئیے زار زار کیا کیجیے ہائے ہائے کیوں

ابتدائیہ

بقلم: ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب

امام احمد رضا پاک و ہند کی بین مملکتی نہیں بلکہ ایک عالمی شخصیت کا نام ہے۔ ان کے آثار دیکھ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ان کی شخصیت روز بروز اجاگر ہوتی جاتی ہے۔ دس بارہ برس قبل مواد کا کال نظر آتا تھا لیکن اب اتنا مہیا ہو گیا ہے کہ سنبھالے نہیں سنبھلتا۔ پاک و ہند کے گوشے گوشے میں ان کے آثار موجود ہیں جو بزبان حال کہہ رہے ہیں:

تلك اٰثارنا تدّل علينا

فانظروا بعدنا الى الآثار

ہندوستان تو امام احمد رضا کا وطن تھا، وہاں جو کچھ ہے اہل علم سے پوشیدہ نہیں ، راقم پاکستانی ہے اس لئے پاکستان کی بات کرتا ہے۔۔۔ یہ یہاں کراچی سے لیکر پشاور اور آزاد کشمیر تک امام احمد رضا کے آثار نظر آتے ہیں:۔

کراچی میں سندھ کے مشہور عالم مولانا عبد الکریم درسؒ علیہ الرحمہ کے خاندان میں امام احمد رضا کے رسائل اور قلمی مکاتیب موجود ہیں۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے ناظم سید ریاست علی قادری کے کتب خانے میں بہت سے نوادرات ہیں۔

صحرائے تھر میں ہندوستان کی سرحد کے قریب مولانا سخی محمد مہر سکندری کے پاس امام احمد رضا کے رسائل کا ذخیرہ ہے۔ حیدر آباد ہیں میں علامہ مفتی محمد محمود احمد الوری کے

کتب خانے میں اور پیر جو گوٹھ (سندھ) میں مولانا تقدس علی خاں کے کتب خانہ میں بھی امام احمد رضا کے کتب و رسائل ہیں۔ سندھ میں امام احمد رضا اتنے معروف و مشہور ہیں کہ سندھ کے مشہور قلم کار و فاضل جنا اللہ بخش سرشار عقیل مرحوم نے ۱۹۲۲ء میں امام احمد رضا پر مقالہ لکھا جو لاہور سے شائع ہوا۔۔۔ لاہور میں علاّمہ محمود احمد رضوی اور حکیم محمد موسیٰ امرت سری وغیرہ کے کتب خانوں میں بھی کافی ذخیرہ ہے، بعض مکاتیب ڈیرہ غازی خاں کے علماء کے نام دستیاب ہوئے ہیں۔۔۔ پشاور کے ایک عالم وصوفی مولانا تاج محمد صدیقی کے کتب خانہ میں امام احمد رضا کے کتب و رسائل کا ذخیرہ ہے۔ اسی پشاور میں ایک دیوبندی عالم مولانا محمد زکریا کے کتب خانے میں امام احمد رضا کا فتاویٰ رضویہ اور دیگر رسائل تھے۔۔۔ امام احمد رضا کے رسالے دوام العیش کے تلاش تھی جو آزاد کشمیر سے ایک بزرگ کے ہاں دستیاب ہوا۔ الغرض امام احمد رضا کے آثار پاکستان میں ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں۔

کسی بھی شخصیت کے حالات وافکار مدوّن کرنے میں اس کی اپنی تصانیف کے بعد معاصرین کی یادداشتیں بنیادی اہمیّت رکھتی ہیں اور پھر ایسے شخص کی یادداشتیں تو اور بھی اہم ہیں جس نے زندگی کے تقریباً تیس سال امام احمد رضا کے سامنے گزارے اور امام احمد رضا کی ایک ایک ادا کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔۔۔ پیش نظر کتاب اسی نوعیت کی ہے ۔۔۔ اس سے قبل امام احمد رضا کے خلیفہ مفتی محمد برہان الحق جبل پوری کی یادداشتیں اکرام امام احمد رضا کے عنوان سے راقم نے مرتب کی تھیں۔ جس کے دو ایڈیشن مرکزی مجلس رضا لاہور نے شائع کئے ہیں۔ اب تیسرے ایڈیشن کی تیاری ہے۔۔۔ اس سلسلے میں امام احمد رضا کے دوسرے خلیفہ مولانا ظفر الدین بہاری کی یادداشتیں بھی نہایت اہم ہیں جو انہوں نے اپنی تالیف حیات اعلیٰ حضرت میں سموئی ہیں۔ جس کی پہلی جلد عرصہ ہوا شائع ہو چکی باقی تین جلدیں منتظر اشاعت ہیں (اب ۱۴۳۳ھ میں مکمل چار جلدیں اکیڈمی سے جدید ترتیب سے

شائع ہو گئیں۔ ناشر)

معاصر علمائے عرب کی تقاریظ پر مشتمل ایک اور کتاب قابل ذکر ہے جو امام احمد رضا اور عالم اسلام کے نام سے راقم نے مرتب کی ہے۔ یہ عنقریب کراچی سے شائع ہو جائیگی[۱]۔ الغرض امام احمد رضا پر معاصرین کی بہت سی نگارشات سامنے آرہی ہیں جس سے امام احمد رضا کی شخصیت دن بدن روشن ہوتی جارہی ہے اور محققین کے لئے کام اور زیادہ آسان ہو رہا ہے۔۔

پیش نظر یادداشتوں کی تدوین و ترتیب کی تقریب یہ ہوئی کہ نومبر ۱۹۸۱ء میں جب کہ راقم امام احمد رضا کی ۸۴۴ تصانیف کی ایک فہرست مرتب کر کے دائرۂ معارف امام احمد رضا کی طرف متوجہ ہوا تو بریلی سے مولانا عرفان الحق صاحب تشریف لائے اور امام احمد رضا کے برادر زادہ مولانا حسنین رضا خاں بریلوی (ابن مولانا حسن رضا خاں بریلوی) کی قلمی یادداشتیں عنایت فرمائیں اور ساتھ ہی مولانا حسنین رضا خاں کے صاحب زادے مولانا تحسین رضا خاں بریلوی (شیخ الجامعہ، دار العلوم منظر اسلام، بریلی) کا ایک مکتوب بھی دیا جس میں موصوف نے یہ خواہش ظاہر فرمائی تھی کہ راقم ان منتشر یادداشتوں کو بطرز نو مرتب کر دے۔۔۔۔ راقم نے وعدہ کر لیا مگر چودہ مہینے اس انتظار میں گزر گئے کہ فرصت میسر آئے تو اس طرف متوجہ ہوں۔۔۔ ادھر فرصت عنقا ادھر تقاضا شروع ہو گیا۔ راقم فرصت کے انتظار میں رہتا تو شاید اس طرح ماہ و سال گزر جاتے۔ حسن اتفاق کہ نبیرۂ مفتیِ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی عزیزم سید مظہر قیوم سلمہٗ اللہ تعالیٰ نے راقم کی نگرانی میں تدوین و ترتیب کی اہم ذمہ داری قبول کر لی۔ اس طرح یہ اہم کام آسان ہو گیا۔ عزیز موصوف جوان صالح ہیں۔ وہ اس سے سے قبل ۱۹۸۲ء میں امام احمد رضا ایوارڈ میں دوسرا انعام بھی حاصل کر چکے ہیں۔۔ بہت محنتی اور لگن سے کام کرنے کے عادی ہیں۔ مولائے کریم ان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

عزیز موصوف نے ٹھٹھ (سندھ) میں راقم کے غریب خانے پر ۲رربیع الثانی ۱۴۰۳ھ ر۱۷رجنوری (۱۹۸۳ء کو کام آغاز کیا اور ۱۳رجمادی الثانی ۱۴۰۳ھ ۲۹رمارچ ۱۹۸۳ء کو یہ کام ختم ہوگیا۔ فجز اھم الله احسن الجزاء۔۔

امید ہے کہ قارئین کرام ان یادداشتوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ یہ یادداشتیں پڑھنے والوں کو امام احمد رضا سے اتنے قریب لے آئی ہیں کہ وہ آمنے سامنے نظر آرہے ہیں اور عالم یہ ہے۔۔

کھنچی ہے سامنے تصویر یار! کیا کہنا

مولا تعالیٰ مولانا حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ کے درجات بلند فرمائے کہ وہ ہمارے لئے یہ یادگار سرمایہ چھوڑ گئے اور ان کے صاحب زادے مولانا تحسین رضا خاں مدظلہ العالی کو اجر عظیم عطا فرمائے کہ انہوں نے اس سرمائے کو ضائع نہیں کیا بلکہ یہ امانت ہم تک پہنچادی۔۔۔

اللہ تعالیٰ مولانا عرفان الحق زید مجدہ کو دارین میں نوازے کہ انہوں نے اس سلسلے میں سعی بلیغ فرمائی اور عزیزم سید محمد مظہر قیوم سلمہ اللہ تعالیٰ کو دونوں جہان میں سرفراز فرمائے کہ انہوں نے ان منتشر یادداشتوں کو نہایت جانکاہی اور عرق ریزی سے مرتب کیا اور دن رات لگے رہے۔۔۔۔آمین بجاہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و ازواجہ واصحابہ وسلم

(احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ)

پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج (ٹھٹھ سندھ)

۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء

فہرست کتاب

سخن ہائے گفتنی

پہلا باب

دوسرا باب

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

چھٹا باب

آٹھواں باب

نواں باب

استاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا خاں

از: رئیس المتغز لین مولانا حسرت موہانی

نام وخاندان

حسن رضا خاں نام، حسن تخلص، خلف اوسط جناب مولانا مولوی محمد نقی علی علی خاں مرحوم بریلوی اور برادر خورد جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی، ۱۲۷۶ھ میں پیدا ہوئے، فضل وکمال اور فقر وتصوف کو آپ کے خاندان کی خصوصیات میں سمجھنا چاہیے۔

تعلیم وتربیت

حکیم سید برکت علی صاحب نامی بریلوی (شاگرد حسن) اپنے استاذ کے "تذکرہ مختصر" میں لکھتے ہیں کہ: یہ اپنے پدر بزرگوار اعلیٰ حضرت امام العلماء حضور سیدنا مولوی نقی علی خاں صاحب قدس سرہ العزیز کے خزائنِ علم وعقل سے مستفیض اور جواہر معانی وفضل سے بہرہ ور تھے......علاوہ بریں بریلی میں اپنے اخی معظم مرکز دائرہ علوم مجدد مأتہ حاضرہ عالم اہلسنت حضرت مولانا حاجی مفتی جناب محمد احمد رضا خاں صاحب قبلہ ادام اللہ تعالیٰ برکاتہم و افضالہم کے فیض صحبت سے فیض معنی حاصل کیا"۔

سلسلہ شاعری

شعر وسخن کا شوق حضرت حسن کو ابتدا ہی سے تھا، کچھ روز تک بطور خود مشق کرتے

رہے،اس کے بعد مرزا داغ کو اپنا کلام دکھانا شروع کر دیا اور ایک مدت تک رام پور میں رہ کر استاذ کے گلشن سخن سے گل چینی فرماتے رہے، یہاں تک کہ بجائے خود استاذ مستند قرار پائے۔

شاگرد و اولاد

چنانچہ اس وقت بریلی کے اکثر خوش گوشاعروں کو آپ کے دامن کمال سے وابستہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔ من جملہ ان کے حکیم سید برکت علی صاحب نامی، منشی دوارکا پرشاد، حلم بریلوی، حافظ و حاج احمد صاحب محشر، سید محمود عالی عاشق، منشی ہدایت یار خاں قیس، منشی اختر حسین اختر، برجموہن کشور فیروز، منشی مظہر حسن مظہر، حکیم سید مسعود غوث فیض منشی تہوّر علی، منشی محمد حسین اثر بدایونی اور منشی اعجاز احمد قیصر مرادآبادی کے قطعات تاریخ آپ کے دیوان عاشقانہ و نعتیہ کے اخیر میں درج ہیں۔آپ کے بڑے صاحبزادے حسین رضا خاں حکیم ہیں، لیکن ان کی طبیعت کو شعر و شاعری سے مناسبت نہیں ہے۔

تصانیف

آپ کی تصانیف میں دیوان عاشقانہ کے علاوہ باقی کل کتابوں اور رسالوں پر زیادہ تر مذہبی رنگ غالب ہے مثلاً (۱) تزکِ مرتضوی در اثبات تفضیلِ شیخین (۲) نگارستان لطافت در ذکر میلاد شریف (۳) بے موقع فریاد کا جواب در مسئلہ قربانی (۴) آئینہ قیامت ذکر کربلائے معلیٰ (۵) دین حسن در حقانیت اسلام و ردّ مذاہب (۶) وسائلِ بخشش ذکر کرامات سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۷) ذوقِ نعت معروف بہ صلۂ آخرت مجموعہ کلام نعتیہ اردو (۸) ثمر فصاحت کلام مجاز اردو مع قند پارسی کلام مجاز پارسی وغیرہ۔ان میں ابتدائی چھ کتابیں آپ کے زمانۂ حیات ہی میں چھپ کر مقبول خاص و عام ہو چکی تھیں، دیوان نعتیہ زیر طبع تھا کہ آپ نے سفر حج سے واپس آ کر ۱۳۲۶ھ میں انتقال فرمایا، اور

دیوان عاشقانہ آپ کے بعد ۱۳۲۷ھ میں طبع ہوا۔

حسن کی شاعری

شاگردان مرزا داغ میں حسن مرحوم بریلوی کا پایہ شاعری بہت بلند تھا، وہ بجائے خود استاذ مستند تھے، انہوں نے اپنے انداز سخن کو استاذ کے رنگ کلام سے مشابہ بنانے میں اس قدر کامیابی حاصل کی ہے کہ اکثر قطعوں میں داغ و حسن کی شاعری میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

مثلاً

ان کا جلوہ نہیں دیکھا جاتا! — دیکھ دیکھا نہیں دیکھا جاتا

قتل کرنے کی وہ جلدی تھی تمہیں — اب تڑپنا نہیں دیکھا جاتا

چشم خونبار خدا رحم کرے — تیرا رونا نہیں دیکھا جاتا

الفت ان کی نہیں چھوڑی جاتی — حال دل کا نہیں دیکھا جاتا

....

چشم ظاہر سے رخ یار کا پردہ دیکھا
آنکھیں جب پھوٹ گئیں تب یہ تماشا دیکھا

دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے تمہیں کیسا چاہا
پوچھنا یہ ہے کہ تم نے ہمیں کیسا دیکھا

....

وہ بھی ہیں ساغر شراب بھی ہے
چاند کے پاس آفتاب بھی ہے

....

گلشن خلد کی کیا بات ہے کیا کہنا ہے
پر ہمیں تیرے ہی کوچے میں پڑا رہنا

....

برسی پھوار رنگ کھلے دل بکھر گئے
آئی بہار پھول کھلے جام بھر گئے

....

ساقیا اور بھی اک ساغر پر جوش مجھے
دیکھ ایسا نہ ہو آ جائے کہیں ہوش مجھے

....

آرزوئے دید جاناں، بزم میں لائی مجھے
بزم سے میں آرزوئے دید جاناں لے چلا

....

ڈھونڈتی تھی ہر طرف کس کو نگاہِ واپسیں
آس کس کے دید کی بیمار ہجراں لے چلا

....

تلوں سے راستہ چمن دلکشا بنا
جلووں سے آئینہ در و دیوار ہو گئے

....

طور نے تو خوب دیکھا جلوۂ شان جمال
اس طرف بھی اک نظر اے برقِ تابان جمال

....

بہاروں پر ہیں آج آرائشیں گلزار جنت کی
سواری آنے والی ہے شہیدان محبت کی
ہوا چھڑکاؤ پانی کی جگہ اشک یتیماں سے
بجائے فرش آنکھیں بچھ گئیں اہل بصیرت کی
ہوائیں گلشن فردوس سے بس بس کے آتی ہیں
نرالی عطر میں ڈوبی ہوئی ہے روح نکہت کی
زمین کربلا پر آج ایسا حشر برپا ہے
کہ کھنچ کھنچ کر مٹی جاتی ہیں تصویریں قیامت کی

....

از: اردوئے معلیٰ علی گڑھ، جون ۱۹۱۲ء

حضرت مولانا حسنین رضا خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمہ

از: مولانا سبطین رضا بریلوی

ابن مولانا حسنین رضا خاں صاحب

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے منجھلے بھائی استاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا خاں صاحب حسن بریلوی کے منجھلے صاحبزادے تھے، آپ کو اعلیٰ حضرت سے فخر تلمذ بھی حاصل تھا اور خلافت بھی نیز اعلیٰ حضرت کی ایک صاحبزادی پہلے آپ کو منسوب ہوئی تھیں جن کا کچھ عرصے بعد انتقال ہو گیا تھا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ آپ فاضل بریلوی کے حقیقی بھتیجے، شاگرد رشید، خلیفہ اور داماد تھے۔ حضرت نے اپنے دیوان میں جہاں خلفاء کا تذکرہ فرمایا ہے وہاں انہیں بھی یاد فرمایا ہے۔

تقریباً اکیانوے برس کی عمر پائی ۔ حضرت مفتی اعظم ہند مدظلہ الاقدس سے صرف چھ ماہ بڑے تھے اور ان کے ہم سبق رہے تھے۔ تعلیم گھر ہی میں دار العلوم منظر اسلام میں حاصل کی غالباً اسی زمانہ میں اعلیٰ حضرت سے پڑھا بھی تھا۔ نیز معقولات کی کچھ کتابیں رام پور جا کر وہاں کے مشہور عالم حضرت مولانا ہدایت رسول صاحب رام پوری سے بھی پڑھی تھیں۔ فراغت کے بعد کچھ عرصے تک مادر درسگاہ دار العلوم منظر اسلام میں درس بھی دیا تھا۔ شاگردوں میں بعض کے نام یہ ہیں، شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب پیلی بھیتی ۔ مولانا ابرار حسن صاحب صدیقی تلہری ۔ مولانا حامد علی صاحب رائے پوری ۔ خاندانی افراد میں مولانا سردار علی خاں صاحب عرف عز و

میاں۔ مولانا ادریس رضا خاں صاحب۔ مولانا اعجاز ولی خاں صاحب۔ حضرت مولانا تقدس علی خانصاحب جن میں اتفاق سے مؤخر الذکر کے علاوہ باقی تمام حضرات یکے بعدد یگرے اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ مولائے کریم ان سب کی مغفرت فرمائے آمین۔

حضرت والد ماجد میں خاندانی شرافت ونجابت اور علمی قابلیت کے علاوہ اور بھی بے شمار خصوصیات پائی جاتی تھیں۔ خداداد ذہانت، زور قلم، حق گوئی و بیباکی، شگفتہ مزاجی، حسن اخلاق، فیاضیٔ طبع، سادگی، ایثار وقربانی، دین وملت اور مخلوق خدا کی خدمت کا جذبۂ بیکراں، یہ وہ خصوصیات ہیں جو ان میں نمایاں طور پر پائی جاتی تھیں۔ بعض نامساعد حالات کی بنا پر درسگاہ سے علاحدگی اختیار کرنے کے بعد حسنی پریس کے نام سے ایک پریس قائم کیا تھا جو ایک زمانے تک کام کرتا رہا اور کتب دینیہ بالخصوص رسائل اعلیٰ حضرت کی اشاعت کا کام اس سے بہت بڑے پیمانے پر ہوتا رہا ہے۔ بہت سے رسائل تو اپنے صرفہ سے چھاپے اور مفت تقسیم کرائے۔ اس دور کو ہر حیثیت سے ان کی زندگی کا شاندار دور کہا جا سکتا ہے۔ اس وقت صحت بھی بہت اچھی تھی اور فارغ البالی بھی تھی۔ شہر کے رؤسا میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ اسی زمانہ میں خلافت کمیٹی، ندوہ تحریک، فتنہ وہابیت اور دوسرے اٹھنے والے فتنوں کے سد باب کے لئے شاہزادگانِ اعلیٰ حضرت، حضرت حجۃ الاسلام و مفتی اعظم ہند مدظلہ ودیگر علمائے کرام کے ہمراہ اعلیٰ حضرت کا دستِ راست بن کر کام کرتے رہے۔ جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کی شاندار خدمات میں آپ کا نمایاں حصہ تھا۔ حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ جس میں علمائے ومشائخ کے علاوہ شہر و بیرون شہر کے بہت سے رؤساؤ وکلاء و بیرسٹران نیز سیاسی لیڈر حکام اور اعلیٰ افسران، امیر وغریب غرضیکہ ہر طبقے کے لوگ شامل تھے جو آپ کے علم و فضل کے دل سے معترف تھے۔ اور آپ کا ادب واحترام پوری طرح ملحوظ رکھتے تھے۔ ان کی نشست گاہ پر صبح سے لے کر شام تک مقامی و بیرونی لوگوں کی آمد ورفت کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ جن میں ملنے والوں کے علاوہ ضرورت مند بھی کثیر تعداد میں ہوتے تھے۔ ہمہ وقت مجلس

گرم رہتی، مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی لیکن کبھی غیر مہذب و ناشائستہ گفتگو نہ فرماتے، انداز گفتگو پیارااور دل پذیر ہوتا، اور بات اتنی ٹھوس فرماتے کہ مخاطب کے دل میں اتر جاتی اور وہ مطمئن ہوجاتا، طبیعت اتنی مرنجان مرنج اور شگفتہ پائی تھی کہ کیسا ہی مغموم و متفکر انسان آپ کے پاس آتا لیکن تھوڑی ہی دیر میں سارا رنج و غم بھول جاتا۔ ہر ماحول میں اپنے لئے گنجائش پیدا کرلینا اور بروقت و برجستہ دماغ سے ایسی بات نکالنا کہ جو پورے ماحول پر اثر انداز ہو اس میں کمال حاصل تھا۔ غرض کہ برمحل گفتگو، حاضر دماغی اور ذہانت کمال کی پائی تھی۔ شیخ الادب حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب اعظمی نے کہ انہیں بھی حضرت سے فخر تلمذ حاصل تھا والد ماجد کی ذہانت کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا کہ جس زمانے میں حضرت درس دیتے تھے، معقولات کی بڑی کتابیں آپ کے پاس رہا کرتی تھیں، کبھی کبھی ایسا ہوا کرتا کہ کسی ضرورت سے باہر تشریف لے جاتے، ہفتہ عشرہ بعد شب میں واپس ہوتے اور صبح کو بغیر مطالعہ کیے درسگاہ میں تشریف لاتے اور پڑھانا شروع کردیتے مشکل سے مشکل سبق ہوتا طلبہ جو اس وقت محنتی اور ذہین ہوتے تھے، ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھار کرتے اور آپ سب کو یکے بعد دیگر مسکت اور تسلی بخش جواب دیتے جاتے اور دوران سبق محسوس نہ ہونے دیتے کہ بغیر مطالعہ پڑھا رہے ہیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ، آپ کے اخلاق حسنہ، اولیاء کرام کے حالاتِ زندگی اور تاریخی واقعات کو اس خوبی سے بیان فرماتے کہ آپ کے پاس بیٹھنے والے جن میں وکلاء و بیرسٹران بھی ہوتے تھے وہ بھی آپ کی گفتگو پورے انہماک اور توجہ سے سنتے اور اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔

آپ مقرر نہیں تھے۔ اوائل عمری میں کبھی تقریر فرمائی ہوگی، جن لوگوں نے اسے سنا تھا ان ہی میں سے ایک صاحب نے فرمایا تھا کہ مولانا نے تقریر کی طرف توجہ نہیں فرمائی ورنہ ہندوستان میں اپنے دور کے واحد مقرر ہوتے۔ متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائیں جن

میں دشت کربلا۔ نظام شریعت اور اسباب زوال طبع ہو چکی ہے۔ انہیں دیکھ کر آپ کے زور قلم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، خشک سے خشک مضمون کو اس خوبی وسلاست سے تحریر فرماتے کہ اس میں دلکشی اور نکھار پیدا ہو جاتا اور پڑھنے والے کو ایک خاص کیفیت محسوس ہونے لگتی، پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ چودہویں صدی کے آغاز میں پیدا ہونے والے کسی بوڑھے کا قلم ہے، یا اس نئے دور کے کسی ادیب شہیر کا۔ شعر وشاعری سے خاصی دل چسپی تھی اور کیوں نہ ہوتی کہ استاذ زمن کے لخت جگر تھے، اگر چہ بہت کم اشعار کہے ہیں لیکن جو کچھ کہے وہ بہت خوب ہیں۔

حضرت استاذِ زمن کا مشہور شعر ہے۔

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاک حضور
تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

آپ کی ایک نعت کا مطلع ہے جس میں اسی مفہوم کو یوں ادا فرمایا ہے۔

تری نعل مقدس جس کے سر پر سایہ گستر ہے
وہی فرمانروائے ہفت کشور ہے سکندر ہے

دوسرے اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

خدا ہی جانے ان کے سر کی عزت اور عظمت کو
قدم ان کے جہاں پہنچے وہ عرش رب اکبر ہے

ترے الطاف بے پایاں تری چشم کرم مولا
ہمیں پر ہے ہمیں پر ہے ہمیں پر ہے ہمیں پر ہے

ہمارے پاس تھا ہی کیا جسے قربان کر دیتے
بس اک ٹوٹا ہوا دل ہے جو قدموں کی نچھاور ہے

یہ مہر و ماہ بھی تو منتظر ہیں اک اشارہ کے

زمین پر آپ رہتے ہیں حکومت آسماں پر ہے

پلٹنے والے کیا پلٹے مقدر کا پلٹنا تھا

نہ یاں وہ سبز گنبد ہے نہ یاں اللہ کا گھر ہے

غضب ہی کر دیا حسنینؔ طیبہ سے پلٹ آئے

وہ جیتے جی کی جنت ہے وہ جنت سے بھی بڑھکر ہے

اتباع شریعت اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت جو آپ کے والد ماجد اور امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی حیات مبارکہ کا بہترین سرمایہ تھا اس سے بفضلہٖ تعالیٰ آپ نے بھی حصہ دافر پایا تھا۔ اگرچہ درس وتدریس کو چھوڑے ہوئے ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا لیکن سرکار کی بے شمار احادیث طیبہ انہیں زبانی یاد تھیں جنہیں وقتاً فوقتاً عوامی نشستوں میں بیان فرماتے اور اکثر دیکھنے میں آتا کہ حدیث پاک بیان کرتے ہوئے آپ کے قلب مبارک پر رقت طاری ہو جاتی اور آنسوؤں سے آنکھیں پرنم ہو جاتیں

علم دین بالخصوص قرآن وحدیث سے گہرا لگاؤ طبیعت کو تھا اور اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ آپ نے اپنے تینوں لڑکوں کو دین ہی کی تعلیم دلوائی۔ انتہا یہ ہے کہ اسکول کی ابتدائی تعلیم سے بھی نا آشنا رکھا حالانکہ چاہتے تو اس وقت اعلیٰ سے اعلیٰ مغربی تعلیم دلوا سکتے تھے۔ عزیز احمد خاں صاحب ایڈوکیٹ جو شہر بریلی کے ایک مشہور اور قابل وکیل تھے۔ آپ کے یہاں کے حاضر باش اور قدرے بے تکلف تھے۔ وہ کبھی کبھی کہدیا کرتے تھے کہ مولانا آپ سب بچوں کو نرا مولوی بنائے دیتے ہیں، کم از کم ایک کو انگریزی پڑھائیے تو آپ خوش اسلوبی سے ٹال دیتے اور فرماتے کہ ہاں انہیں نرا مولوی ہی بنانا ہے اور اسی میں ان کی فلاح ہے۔ آپ کی اپنی اولاد کے لئے خصوصی دعا یہ ہوتی کہ اے رب کریم! تو ان سب کو دین کا سچا خادم اور اعلیٰ حضرت کے علوم کا وارث بنادے اور ان سے دین کی وہ خدمت لے جس سے تو اور تیرا رسول راضی ہو جائیں۔ اور اس کے ساتھ ہی

اپنے تمام اعزہ واحباب اور دنیا بھر کے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے دعا فرماتے تھے
احباب کے لئے دل کی وسعت کا عالم یہ تھا کہ جس وقت کسی چیز کی ضرورت پیش آئی اور اس نے طلب کی فوراً بے تأمل دے دی۔ پھر اس کی سمجھ میں آیا تو واپس دی ورنہ اسی کے پاس رہی۔ ایک مرتبہ ایک صاحب آئے اور کہا کہ میری اہلیہ ایک بڑے گھرانے کی شادی میں شرکت کے لئے جارہی ہیں اور ان کے پاس فلاں زیور کی کمی ہے۔ آپ مکان کے اندر تشریف لے گئے اور میری والدہ صاحبہ مرحومہ سے وہ زیور لے جاکر انہیں دے دیا۔ پھر تا زندگی انہوں نے واپس نہ کیا اور آپ نے بھی واپسی کا مطالبہ نہ فرمایا۔ اس سے بہتر آج کی دنیا میں ایثار و قربانی کی مثال اور کیا ہوسکتی ہے۔ احباب میں سے کبھی کسی کی معمولی سی دل شکنی گوارا نہ فرمائی۔ آپ کی زندگی اس سلسلہ میں شاعر کے اس شعر کا صحیح مصداق تھی کہ

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

ان کے احباب میں سے بہت تو آپ کی حیات ہی میں دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور کچھ پاکستان کو منتقل ہو گئے تھے، لیکن آپ تا حیات ان سب کو یاد فرماتے رہے۔ مرحومین کے لئے دعائے مغفرت فرماتے اور جو حیات تھے ان کے لئے صحت وسلامتی کی دعا فرماتے تھے۔

مسلمانوں اور بالخصوص غریب مسلمانوں سے آپ کو ہمیشہ قلبی تعلق اور گہرا لگاؤ رہا۔ کسی جہاں امرأ اور رؤسا آپ کی محفل میں ہوتے وہاں بہت سے ضرورت مند غریب بھی بیٹھے نظر آتے۔ کسی کو نوکری کی تلاش ہے تو وہ آپ کے پاس چلا آرہا ہے۔ کسی کو امداد چاہیے۔ کوئی اپنے مقدمہ میں آپ کی شفارش کا طلب گار ہے کسی کو اسکول یا کالج میں اپنے غریب بچے کی فیس معاف کروانا ہے۔ غرض یہ کہ ہر قسم کی ضرورت لے کر لوگ آپ کی خدمت میں آتے رہتے اور کوئی ضرورت مند کسی وقت بھی آجاتا، آپ اپنے تمام ضروری

کاموں کو پس پشت ڈال دیتے، پہلے اس کی سرگزشت سنتے اور اس کا کام کرنے کو تیار ہو جاتے۔ شہر اور اس کے نواح میں تمام سرکاری و نیم سرکاری محکموں کچہریوں اسکولوں کالجوں میں آپ کے جاننے والے، آپ سے عقیدت و محبت رکھنے والے بے شمار لوگ موجود تھے، قلم اٹھایا اور حسب ضرورت کسی کے نام شفارشی خط لکھ دیا۔ ضرورت محسوس کرتے تو بنفس نفیس خود تشریف لے جاتے، آنے والے نے اگر سواری کا انتظام کرلیا ہے تو فبہا، اور اگر وہ غربت کی وجہ سے نہ کر سکا تو خود ہی سواری کر لی اور اس کا کرایہ اپنی جیب خاص سے ادا کر دیا، اور بروقت سواری کا انتظام نہ ہو سکا تو پیدل ہی تشریف لے گئے اور اس غریب کا کام کرآئے یہ ان کی زندگی کا وہ بہترین مشغلہ تھا جو اس وقت تک جاری رہا جب تک قویٰ میں توانائی باقی رہی، اور آخر عمر میں بھی جب کہ قویٰ جواب دے چکے تھے یہ جذبہ بدستور باقی تھا، یہ اور بات تھی کہ اسے بروئے کار نہ لا سکتے تھے۔ بلا مبالغہ مختلف محکموں میں سینکڑوں کو ملازمتیں دلوائیں، بہت سے ملزمین کو جو ناحق پکڑے جاتے تھے رہا کرایا۔ کتنوں کی حکام سے شفارش کر کے سزائیں معاف کرائیں، کتنے ہی مسلمانوں کے آپس کے جھگڑے اور اختلافات ختم کرائے، ان میں صلح کرائی، اکثر ایسا ہوا ہے کہ صبح ناشتہ کے بعد مکان سے تشریف لے جاتے تو دوپہر کو آتے۔ اور پھر بعد عصر تشریف لے جاتے تو شب کے ۱۱/۱۲ بجے واپس آتے، اور یہ سارا وقت دوسروں ہی کے کاموں میں گزرتا اور مخلوق خدا کی خدمت میں صرف ہوتا، اپنے کاموں کا حال تو یہ تھا کہ پریس ختم ہونے کے بعد زمینداری کا کام کرنے لگے تھے، لیکن جہاں کہیں کسی دوسرے کا کوئی کام سامنے آیا اور آپ دیہات سے شہر آگئے اب چاہے وہاں اپنا کتنا ہی نقصان ہو جائے اس کی کوئی پرواہ نہیں، گھر میں اور کسی کو کیا کہنے کی جرأت ہوتی، میری والدہ مرحومہ کبھی کہہ دیتیں کہ گاؤں میں نقصان ہو رہا ہوگا، نوکروں کا کیا اعتبار جو چاہیں گے کریں گے، تو آپ فرماتے کہ تم بیوقوف ہوگئی ہو، اس سے میری عاقبت سنورتی ہے، رہا گاؤں کا معاملہ تو وہاں سے جو کچھ میری قسمت میں ہوگا

مل ہی جائے گا۔

اس سے ان کی طبیعت کی قناعت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے، یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ حضرت والد ماجد کی زندگی دوسروں کے لئے وقف تھی، اور خیر الناس من ینفع الناس کی آئینہ دار، مخلوق خدا کی بے لوث خدمات انجام دیں۔ دوسروں کے لئے بہت کچھ کیا اور اپنے لئے بظاہر کچھ نہ کیا، یہی وجہ ہے کہ تقسیم ہند کے بعد جب حالات نے پلٹا کھایا، زمینداری کا خاتمہ ہوا تو معاشی الجھنوں سے انہیں دوچار ہونا پڑا، مگر اس وقت کو صبر وشکر سے گزارا اور کبھی ناشکری کے کلمات زبان پر نہ لائے، اور بایں ہمہ علم وفضل ان کی زندگی سادگی کا مرقع تھی کہ کوئی اجنبی ان کو دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ نہیں کرسکتا تھا کہ یہ کوئی بڑے عالم ہونگے۔ بقول محب محترم مولانا مفتی شریف الحق صاحب امجدی کے کہ انہوں نے چہلم کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا اور بالکل بجا فرمایا کہ ان کا علم وفضل اور ان کی ساری خوبیاں ان کی سادگی میں پوشیدہ تھیں، شہرت ونام ونمود سے ہمیشہ دور ونفور رہے۔

گزشتہ چند سال سے بہت ضعیف ہوگئے تھے اور زندگی کے تمام ہنگاموں سے دور رہ کر اپنے اوقات عزیز کو خداوند قدوس کی یاد میں گزار گئے۔ معمول کے مطابق نمازوں کی پابندی اور اوراد ووظائف، صبح وشام تلاوت قرآن پاک کا سلسلہ جاری رہا اور جب اس کی بھی سکت نہ رہی پھر بھی الحمدللہ الشکر للہ اور اللہ اللہ کا ورد ہمہ وقت جاری تھا، یہاں تک کہ اللہ اللہ کہتے ہوئے ۵ رصفر المظفر ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۴ ردسمبر ۸۱ء بروز یکشنبہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

جناب سید اعجاز صاحب رضوی جو ایک معمر اور دیانتدار آدمی ہیں غسل میں شریک تھے۔ انہوں نے بقسم بیان فرمایا کہ دوران غسل زبان مبارک سے اللہ فرمایا۔ العلم عنداللہ۔

والد ماجد علیہ الرحمہ کے چند انمول بول۔

(۱) حرام کا مال رہتا نہیں بہتا ہے۔

(۲) ہر مصیبت درس عبرت ہے

(۳) مصیبت پر رونا دہری مصیبت ہے

(۴) صبر اور چارۂ کار کی تلاش بہتر ہے۔

(۵) خدا کا دوست سب کا دوست ہے اور اس کا نافرمان کسی کا دوست نہیں۔

(۶) جس نے خدا سے عہد شکنی کی دنیا کو اس سے امید وفا کیسی؟

(ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور اپریل ۱۹۸۱ء ص ۴۰۔۴۴)

سخن ہائے گفتنی

علامہ حسنین رضا خانصاحب (علیہ الرحمہ)

اعلیٰ حضرت فاضل ہندوستان مولانا احمد رضا خاں صاحب کو رب العزت نے دین ہی کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا تھا، اور نظام قدرت میں انہیں اس صدی کا مجدد بنانا تھا اس لئے ان کی فطرت نظام شریعت کے ڈھانچے میں ابتدا ہی سے ڈھالی گئی تھی، انہیں کسی قدر وقت سے پہلے شعور بھی عطا ہوا تھا، وہ قدرتی طور پر بچپن ہی میں اچھے برے کی تمیز کرنے لگے تھے، جس کا ان اوراق کے مطالعہ سے آپ کو بھی اندازہ ہو جائے گا، ابتدا ہی سے ان کا ہر قول، ہر حرکت، ہر سکون اوروں کی طرح نہ تھا، انہیں بفضلہٖ تعالیٰ تائید غیبی ابتدا ہی سے حاصل تھی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس مشیت کے پیش نظر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی مدۃ العمر دین ہی کی خدمت کی۔ رب العزت بھی ہر موقع پر ان کی امداد فرماتا رہا۔ ابتدائی دینی خدمات میں انہماک سے ہر شخص یہ اندازہ لگانے لگا تھا کہ یہ خدمات ان کا مقصد حیات ہیں۔ ادھر نظام قدرت کی تائید سے بھی یقین ہوتا جاتا تھا کہ خداوند عالم کو ان سے یہی کام لینا ہے۔ اس مہم کے آغاز سے پہلے ہی اس کے حسب ذیل اسباب فراہم کر دیئے۔ رب العزت نے انہیں معافی کی معقول جائداد دی تھی اس لئے وہ اپنے اور متعلقین کے کفاف کی طرف سے بالکل مطمئن

تھے۔ وہ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے اور خاندان کا ہر چھوٹا بڑا ہی مانتا تھا۔ دونوں بھائی انہیں ایسے مخلص اور خدمت گار ملے جنہوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو ساری عمر دنیا کی چپقلش سے بے نیاز ہی رکھا۔

ان کے بیٹوں اور بعض دوستوں اور شاگردوں نے ان کا بے حد ہاتھ بٹایا۔ سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ قدرت کی فیاضی سے انہیں اسلامی فطرت عطا ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ذہن، حافظہ، دل، دماغ، حواس ظاہری و باطنی ایسے عطا ہوئے جو عام انسانوں کے ان قویٰ سے بہت بالا تھے، اور جرأت و بہادری بھی ان کے خمیر میں تھی، اس واسطے کہ وہ پٹھان تھے اور اعلیٰ درجہ کے مسلمان تھے، ابتدا ہی سے وہ غیور بھی تھے۔ یہ سب اوصاف ان میں اس لئے جمع کیے گئے تھے کہ وہ مجددیت کے فرائض کو بخوبی بلا کسی جھجک کے سکون و اطمینان سے انجام دے سکیں ۔تو انہوں بھی فرائض مجددیت خوب خوب انجام دیئے۔ اپنے کردار سے انہوں نے اپنے خدا اور اس کے پیارے رسول کو راضی کرلیا۔ بے شمار مردہ سنتیں زندہ کیں۔ بدعتیں مٹائیں، فتنے ملیا میٹ کیے اور فتنوں وفتنہ پروازوں کو رہتی دنیا تک کے لیے بے نقاب کر دیا۔ ان کی اس جرأت نے فتنہ پردازوں کی دنیا میں آگ لگا دی۔ خیر یہ تو ان کی دینی خدمات تھیں، علمی مشاغل کا یہ عالم رہا کہ مشرق و مغرب کے سارے مروّجہ اور بعض غیر مروّجہ علوم میں بھی ان کی تصنیفات منظر عام پر آگئیں جو اردو فارسی عربی میں ہیں، غرض یہ کہ دین کی بے لوث خدمت اور علوم کی انتہائی کثرت سے رب العزت نے ان کو ایسا نوازا کہ اسلامی دنیا نے ان کو سر پر اٹھالیا۔

دین کے مرکز مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بکثرت علمائے کرام نے ان کی کتاب حسام الحرمین کی تقاریظ میں ان کے بڑے بڑے مناصب جلیلہ بتائے ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں، انہیں دیکھ کر ہر شخص اس نتیجے پر پہونچے گا کہ خانۂ خدا مکہ معظمہ کے اور دربار رسالت مدینہ منورہ کے اجلۂ علماء کرام نے ان کی جس قدر عزت وعظمت کی ہے وہ

وہاں کسی ہندی عالم کے لئے کبھی سنی بھی نہ گئی۔ یہ تو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہر سال کچھ ہندی علماء حرمین شریفین میں آتے جاتے ہیں مگر علماء حرمین شریفین کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، بریلی کا ایک بندۂ خدا حرمین شریفین میں حاضر ہوتا ہے تو حرمین شریفین کے علماء کرام اپنے زاویوں سے باہر نکل آتے ہیں اور اسے بڑی عزت سے لیتے ہیں۔ باوجود اس جلالت شان کے ان کی طرف سے اعلیٰ حضرت کا ایسا احترام، یہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرم خاص کا قدرتی مظاہرہ تھا جسے اس سال ہزاروں حاجیوں نے بچشم سر دیکھا۔ ذلك فضل الله یوتیه من یشاء و الله ذو الفضل العظیم۔

ایک انسان کا اتنا بڑا عروج اسے بے انتہا محسود خلائق بنا دیتا ہے، اس سے حاسد دنیا بے انتہا جلنے لگتے ہے، اس محسود خلائق میں اگر کوئی برائی نہیں ملتی تو خبیث طبائع اس کے لئے دل سے عیوب گڑھنے لگتی ہیں، اور اپنی اس گندگی کو خوب اچھالتی ہیں بالکل یہی اعلیٰ حضرت قبلہ کے ساتھ ہوا۔ اور اب تک ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا، یہ دنیا کا روزمرہ کا شیوہ ہے کہ کسی نان شبینہ کے محتاج کو اگر دو روٹی ملنے لگے تو لوگ اس سے جلنے لگتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو جو عظیم ترین دولتیں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں رب العزت نے عطا کیں وہ کثرت علوم اور بے حد و حساب عزت و وقار کی اور بہت زیادہ دینی خدمات کی فراواں دولتیں تھیں۔ ان سے حاسدوں کے دلوں میں حسد کے بلند شعلے بھڑکنا ہی تھے وہ بھڑک اٹھے اور منظر عام پر آ گئے۔ اسی طرح آئندہ بھی آتے رہیں گے، اس واسطے کہ جب تک دین باقی ہے ان کی دینی خدمات کو دنیا فراموش نہ کر سکے گی اور ہر موقع پر ان کی تصانیف کی طرف رجوع کرنا پڑیگا، وہ تھرمامیٹر کی طرح مفسدین کا مرض اور اس کا معیار بتائیں گی اور اس مرض کا اکسیر علاج بھی انہیں تصانیف میں ملے گا، یہ سب قدرتی باتیں ہیں اس سے برادران اہلسنت کو کوئی اثر نہ لینا چاہئے۔

(۲)

اعلیٰ حضرت کی سوانح حیات جمع کرنے سے پہلے قرآن پاک بھی دیکھ لینا چاہئے۔رب العزت نے قرآن پاک میں بھی جگہ جگہ اپنے محبوب بندوں کا کئی طرح ذکر فرمایا ہے۔کہیں ان محبوب بندوں کے عادات و خصائل بیان فرمائے ہیں۔کہیں ان کا دستور العمل بیان فرمایا ہے۔کہیں ہم جیسے ناسمجھوں کے لئے ان کی نشانیاں ذکر فرمادی ہیں۔غرضیکہ رب العزت نے اپنے محبوبوں کا ہمیں بھی تعارف کرادیا ہے تاکہ ہم انہیں پہچانیں اور ان کے اعمال صالحہ میں اگر وہ حیات ہیں ان کا اتباع کریں۔اور وصال فرماگئے ہیں تو ان کے اس حسنِ عمل کو جسے اپنی زندگی میں وہ مقصد حیات بنائے رہے، منظر عالم پر لائیں اور اپنا دستور العمل بھی وہی بنائیں۔ان کی روحانی مسرت حاصل کرنے کا بھی صرف یہی طریقہ ہے۔اس سلسلہ میں حسب ذیل آیۂ کریمہ پیش کی جاتی ہے۔

لَاتَجِدُ قَوْماً يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الآخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَائَهُمْ اَوْاَبْنَائَهُمْ اَوْاِخْوَانَهِمْ اَوْعَشِيْرَتَهُمْ اُوْلٰئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (پ ۲۸ ع ۳ ۔مجادله)

ترجمہ:۔تم نہ پاؤگے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی ہے اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔

خداوند عالم نے اس آیت کریمہ میں اپنے محبوب بندوں کا حال بیان فرمایا ہے ۔ہمیں یہاں دیکھنا یہ ہے کہ ان مخلصین کی فہرست میں اعلیٰ حضرت قبلہ بھی داخل ہیں یا نہیں۔اس سلسلہ میں ان کی ساری حیات پاک پر نظر ڈالی جائے تو ابتدائے شعور سے روز رحلت تک ان کا بڑا وقت اس آیۂ کریمہ پر عمل ہی کرتے گزرا۔اعلیٰ حضرت قبلہ اس آیۂ کریمہ کا پورا مصداق ہیں مگر سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ رب العزت نے انہیں آیات کریمہ کے سلسلے کی آخری کڑی وہ آیت کردی جس سے ان کی تاریخ ولادت حاصل کی گئی ہے۔

فرمایا ہے:۔اُوْلٰئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ان کے محبوب مشغلہ نے انہیں اس آیۂ کریمہ کا مصداق بنایا تھا۔ رب العزت نے ان ساری خدمات کے قبول اور اپنی بارگاہ سے اس کے عظمت والے صلہ کا بھی اعلان فرما دیا۔ اب پڑھیئے۔

اُوْلٰئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔

یعنی یہ ہی ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف سے ان کی مدد کی۔

دعا گوئے اہل سنت

حسنین رضا خاں قادری نوری رضوی بریلوی غفرلہ ولوالدیہ

پہلا باب

ابتدائی حالات

اجداد و خاندانی حالات

یہ روایت اس خاندان میں سلف سے چلی آ رہی ہے کہ اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ والیانِ قندھار کے خاندان سے تھے۔ شہزادہ سعید اللہ خاں صاحب ولی عہد حکومت قندھار کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ سوتیلی ماں کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے کے لئے ولی عہدی کی جگہ حاصل کرنے کے سلسلے میں ان باپ بیٹوں میں اتنا نفاق کرا دیا کہ شہزادہ سعید اللہ خاں صاحب ترک وطن پر مجبور ہو گئے۔ ان کے چند دوستوں نے بھی اس ترک وطن میں ان کا ساتھ دیا۔ یہ ساری جماعت قندہار سے لاہور آ گئی۔ لاہور کے گورنر نے دربار دہلی کو اطلاع دی کہ قندھار کے ایک شہزادے صاحب کسی کشیدگی کی وجہ سے ترک وطن کر کے لاہور آ گئے ہیں۔ اس کے جواب میں ان کی مہمان نوازی ہونے لگی۔ انہیں اپنے مستقبل کے لئے کچھ کرنا ضروری تھا وہ جلد ہی دہلی آ گئے۔ یہاں ان کی بڑی عزت و وقعت ہوئی۔ چند ہی دنوں میں وہ فوج کے کسی بڑے عہدے پر ممتاز ہو گئے اور ان کے ساتھیوں کو بھی فوج میں مناسب جگہیں مل گئیں۔ یہ منصب ان کی فطرت کے بہت مناسب تھا۔ جب روہیل کھنڈ میں کچھ بغاوت کے آثار نمودار ہوئے تو باغیوں کی سر

کو بی ان کے سپرد ہوئی۔اس بغاوت کے فرو ہونے کے بعد ان کو روہیل کھنڈ کے صدر مقام بریلی میں قیام کرنے اور امن قائم رکھنے کا حکم ہو گیا۔ یہاں انہیں صوبہ دار بنا دیا گیا جو گورنر کے مترادف ہے۔اس ضلع میں ان کو ایک جاگیر عطا ہوئی جو غدر ۱۸۵۷ء میں ضبط ہو کر تحصیل ملک ضلع رام پور میں شامل کر دی گئی۔اس جاگیر کا مشہور اور بڑا موضع وہیلی تھا جواب بھی موجود ہے۔ بریلی کی سکونت اس لئے مستقل ہو گئی کہ اسی دور میں کوہستان روہ کے کچھ پٹھان خاندان یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ان کے لئے ان کا جوار بڑا خوشگوار تھا۔اس واسطے کہ ان سے بوئے وطن آتی تھی۔

سعید اللہ خاں صاحب جب پیرانہ سالی کی وجہ سے ملازمت سے دست کش ہوئے تو انہوں نے اپنی آخری عمر یاد الٰہی میں متوکلانہ گزرادی اور جس میدان میں ان کا قیام تھا وہیں دفن ہوئے۔مسلمانوں نے اسی میدان کو قبرستان میں منتقل کر دیا۔ یہ میدان اب محلہ معماران بریلی کے متصل واقع ہے اور اسی مناسبت سے اب تک شاہزادے صاحب کا تکیہ کہلاتا ہے ۔اس وقت ان کے صاحبزادے سعادت یار خاں وزیر دربار دہلی ہو چکے تھے۔انہوں نے دہلی میں اپنی وزرات کی دو نشانیاں چھوڑیں۔بازار سعادت گنج اور سعادت خاں کی نہر۔ نہ معلوم کہ حوادثِ روزگار کے دست ستم سے ان میں سے کوئی نشانی بچ سکی ہے یا نہیں۔ان کی مہر وزرات بھی اس خاندان میں میری جوانی تک موجود رہی۔حافظ کاظم علی خاں صاحب مرحوم کے دور میں مغلیہ حکومت کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ ہر طرف بغاوتوں کا شور اور ہر صوبے میں آزادی وخود مختاری کا زور ہو رہا تھا اس وقت جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو حافظ کاظم علی خاں صاحب دہلی سے لکھنؤ آ گئے،ادھر انگریزوں کا زور بڑھ رہا تھا، اور حکومت میں تعطل پیدا ہو گیا تھا۔اودھ کی سلطنت میں کار ہائے نمایاں انجام دیئے ۔ان کو بھی یہاں دوبارہ اودھ سے ایک جاگیر عطا ہوئی جو ہم لوگوں تک باقی رہی اور ۱۹۵۴ء میں جب کانگریس نے دیہی جائدادیں ضبط کیں تو ہماری معافی بھی ضبطی میں آ گئی۔حافظ

کاظم علی خاں صاحب نے دو بیٹے اپنے وارث چھوڑے اور دو جاگیریں چھوڑیں۔ان کے دو بیٹے مولانا رضا علی خاں صاحب اور حکیم تقی علی خاں صاحب تھے۔حکیم تقی علی خاں صاحب نے فن طب میں مہارت حاصل کی اور ریاست جے پور میں طبیب خاص ہوئے۔

مولانا رضا علی خاں صاحب (جو اعلیٰ حضرت کے حقیقی دادا تھے) پہلے شخص ہیں جو اس خاندان میں دولت علم دین لائے۔اور علم دین کی تکمیل کے بعد انہوں نے سب سے پہلے مسند افتاء کو رونق بخشی، تو اس خاندان کے ہاتھ سے تلوار چھوٹی اور تلوار کی جگہ قلم نے لے لی۔اب اس خاندان کا رخ ملک کی حفاظت سے دین کی حمایت کی طرف ہو گیا۔وہ اپنے دور میں مرجع فتاویٰ رہے۔انہوں نے خطب جمعہ وعیدین لکھے جو آج کل خطب علمی کے نام سے ملک بھر میں رائج ہیں۔یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس خاندان کے مورث اعلیٰ مولانا رضا علی خاں صاحب کے خطبے جو خطب علمی کہلاتے ہیں وہ مولانا رضا علی خاں صاحب کی ہی تصنیف ہیں اور کم وبیش ایک صدی سے سارے ہندوستان کے طول وعرض میں جمعہ وعیدین کو پڑھے جاتے ہیں۔اور ہر مخالف وموافق انہیں پڑھتا ہے۔ان کو شہرت سے انتہائی نفرت تھی، اس لئے انہوں نے خطبے اپنے شاگرد مولانا علمی کو دے دیئے۔مولانا علمی نے خود بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔البتہ خطب علمی میں اشعار مولانا علمی کے ہیں۔ مولانا رضا علی خاں صاحب مرجع فتاویٰ بھی رہے۔

خطب علمی کو رب العزۃ نے وہ شان قبول عطا فرمائی کہ آج تک کوئی خطبہ اس کی جگہ نہ لے سکا۔اس دور میں بہت سے خطبے لکھے گئے، عمدہ کر کے چھاپے گئے، کوشش سے رائج کئے گئے، مگر وہ قبول عام کسی کو آج تک نصیب نہ ہوا اور نہ آئندہ کسی کو امید ہے کہ وہ خطب علمی کی جگہ لے سکے گا۔جب ان کے بیٹے مولانا نقی علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے سند تکمیل حاصل کر لی تو افتاء اور زمینداری یہ دونوں کام مولانا نقی علی خاں کے سپرد ہو گئے۔مولانا نقی علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی علاوہ فتویٰ نویسی کے چھوٹی

بڑی پچیس کتابیں تصنیف فرمائیں۔جن میں سے کچھ ہی کتابیں چھپ سکیں۔''سرور القلوب فی ذکر المحبوب ''اور''جواہر البیان فی اسرار الارکان'' یہ دونوں ضخیم کتابیں بار بار طبع ہوکر دنیا میں پھیل چکی ہیں۔ان کا شہر کے رؤسا میں شمار تھا اور ہندوستان کے بڑے علماء میں گنے جاتے تھے۔ان کا اس دنیا میں سب سے بڑا شاہکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ جیسے جلیل القدر فاضل کی تعلیم وتربیت ہے جو صدیوں ان کا نام نامی زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے

مولانا نقی علی خاں صاحب بھی اپنے وقت میں مرجع فتاویٰ تھے۔مگر اعلیٰ حضرت قبلہ نے ان کو اپنی کم سنی ہی میں فتویٰ نویسی سے سبکدوش کردیا تھا۔اس لئے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ نے ۱۳رسال دس ماہ کی عمر میں سند تکمیل حاصل کی اور مسند افتاء پر بٹھادیئے گئے۔ آپ کے مسند افتاء پر رونق افروز ہونے سے آپ کے والد ماجد افتاء کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گئے۔اب وقت آیا تھا کہ وہ اپنے باغ کی بہار دیکھتے کہ اسی دور میں ان پر سحر ہوا،مگر ان کی روحانی قوت کی وجہ سے ان پر اثر کم ہوا،پھر سحر ہوا تو کچھ اثر ہوا،غرض یہ کہ سحر اور ان کی روحانی قوت میں مسلسل چار سال تک رسہ کشی ہوتی رہی۔اسی دور میں وہ بیعت وخلافت سے سرفراز ہوئے،اسی حالت میں انہوں نے حج بیت اللہ کیا اور مدینہ طیبہ میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔مارہرہ شریف اور حاضری حرمین طیبین کے دونوں سفروں میں اعلیٰ حضرت قبلہ ان کے ساتھ رہے،وہ اپنے فرائض وواجبات سے سبکدوش ہوکر بتاریخ آخری ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ حاضر دربار رب العزت ہوگئے۔انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اس گھرانے کی شاہی خاندان سے ہونے کی بعض نشانیاں تھوڑی یا بہت بفضلہٖ تعالیٰ اب تک باقی ہیں۔اس خاندان کی غیر معمولی ذہانت اور عالی دماغی۔خودداری اور سیر چشمی۔جرأت وبہادری۔صبر واستقلال۔بےلوث خدمت خلق۔عام ہمدردی۔ان سب اوصاف میں رب العزۃ نے اب تک اس خاندان کو کسی قدر ممتاز ہی رکھا ہے۔یہی فرمانروائی وجہانداری کی نشانیاں ہوتی ہیں،خصوصا اعلیٰ حضرت کی ذات کریمہ میں تو یہ سب اوصاف

ابتدائے شعور سے تایوم وفات ہندوستان سے عرب تک لاکھوں انسانوں نے جھلکتے دیکھے ہیں۔اور جس نے جس قدر زیادہ قریب سے دیکھا اس کے دل میں ان کی قدر و منزلت،عزت ووقعت زیادہ گھر کر گئی۔ ہمارے شہر کے رئیس اعظم خان بہادر سردار محمد رحیم دادخاں صاحب مرحوم اعلیٰ حضرت قبلہ کو ان کے وصال کے بعد جب یاد کرتے،آبدیدہ ہو کر یہ ضرور کہتے کہ بس ایک آدمی دیکھا۔

ولادت

اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی بندہ کو نوازتا اور اس سے کوئی اہم کام لینا ہوتا ہے تو یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس بندے کے لئے اس خدمت کے سلسلے میں پہلے ہی سے آسانیاں فراہم کر دیتا ہے۔اور پھر قدرتی طور پر اس کی مدد جاری رہتی ہے۔ چنانچہ یہی معاملہ اعلیٰ حضرت کی پیدائش سے وفات تک دیکھا جاتا رہا۔ان کی پیدائش سے وفات تک رب العزت نے ان کی خصوصی مدد کی۔ ان کے پیدا ہونے سے پہلے (جب کہ وہ شکم مادر میں تھے) کسی مرد صالح نے ایک خواب دیکھا جو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی ذات سے متعلق تھا۔خواب دیکھنے والے نے اعلیٰ حضرت قبلہ کے دادا مولانا رضا علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا۔اس واسطے کہ وہ اس زمانے میں تعبیر رؤیا میں بہت مشہور تھے اور اس خواب کا ان کی اپنی ذات سے بھی تعلق تھا۔مولانا رضا علی خاں صاحب نے خواب سن کر فرمایا کہ جب اس کی تعبیر آئے گی تو خود بتا دیں گے۔چنانچہ جب اعلیٰ حضرت قبلہ پیدا ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ لڑکا اس خواب کی تعبیر ہے۔یہ لڑکا خدا نے چاہا تو بڑا زبردست عالم ہوگا اور اس سے دین بڑی دور تک پھیلے گا۔اس تعبیر سے سارے خاندان اور متوسلین میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔اس لئے کہ پڑھے لکھے دیندار خاندان کے لئے اس سے بڑی بشارت اور کیا ہو سکتی ہے۔اعلیٰ حضرت کی پرورش بڑے ناز ونعم سے

ہوئی۔ ان کا گھر بھی بڑا خوشحال گھر تھا۔ اعلیٰ حضرت کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سات گاؤں کے زمیندار معافی دار مشہور تھے۔ انہیں ہر قسم کی آسانیاں فراہم تھیں۔ وہ بڑہیچ قبیلہ کے پٹھان تھے۔ وہ سارے روہیل کھنڈ کے واحد مفتی تھے۔ رؤسا شہر میں ان کا شمار تھا۔ ان کے والد ماجد مولانا رضا علی خاں صاحب سے اہل شہر کو والہانہ عقیدت تھی۔ وہ مادرزاد ولی مشہور تھے۔ وہی اس خاندان میں دینی دولت لائے۔ اس بشارت کی وجہ سے ابتداہی سے سارے خاندان اور تمام متوسلین کی نگاہیں اعلیٰ حضرت قبلہ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ خدا خدا کر کے وہ پروان چڑھے اور ان کا دور تعلیم شروع ہوا۔ وہ ابتداء ہی سے بہت ہونہار معلوم ہوتے تھے۔

تاریخ ہائے ولادت

اعلیٰ حضرت قبلہ خود ارشاد فرماتے ہیں: بحمد اللہ میری تاریخ ولادت اس آیہ کریمہ میں ہے:

اولٓئك كتب فی قلوبهم الايمان و ايد هم بروح منه

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں رب العزت نے ایمان نقش فرمادیا ہے اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعہ ان کی مدد فرمائی ہے۔

اس آیۂ کریمہ کا سلسلہ اوپر سے یوں چلا آرہا ہے۔

لاتجد قوما يومنون بالله و اليوم الاخر يوادّون من حادّ الله و رسوله و لو كانوا اباء هم او ابناء هم او اخوانهم او عشيرتهم اولئك كتب فی قلوبهم الايمان و ايدهم بروح منه ۔(۲۸ ع ۳۔ مجادلہ)

ترجمہ:۔(اے محبوب) نہ پائیں گے آپ ان لوگوں کو کہ اللہ و رسول کے دشمنوں سے دوستی رکھیں اگرچہ وہ (دشمنان خدا و رسول ان کے باپ ہوں یا اولاد ہوں یا بھائی ہوں یا

ان کے کنبہ قبیلہ کے ہوں یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمایا اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعے ان کی مدد فرمائی۔

اس آیہ کریمہ میں رب العزت نے اپنے محبوب بندوں کی فطرت بطور نشانی بیان فرمائی ہے۔ ان کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ اللہ ورسول کے دشمنوں سے ترک موالات کا اعلان کرتا رہے۔ تاکہ بھولے بھالے مسلمان بھی ان سے بچ کر اس آیہ کریمہ کے حکم میں آجائیں اور جو بشارت ان بندگان خدا کے لئے دی گئی ہے وہ بھی اس بشارت کے مستحق ہو جائیں۔ وہ بشارت ایمان اور تائید غیبی کی بشارت ہے۔ یہی آیت خداوند عالم کے محبوب بندوں کی پہچان بھی ہے۔

بہن بھائی

اعلیٰ حضرت قدس سرہ تین بھائی تھے، اور ابتدا میں ان کی تین بہنیں تھیں، سب سے چھوٹی بہن کا جوانی ہی میں انتقال ہوگیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے اور ان دونوں بہنوں سے چھوٹے تھے مگر رب العزت نے ان کو عزت دو قار میں سب سے بڑا کر دیا تھا۔ وہ اپنے بڑوں کی عزت اور ہر چھوٹے سے شفقت کا برتاؤ کرتے، ان کی عزت ہر چھوٹا بڑا یکساں کرتا تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے والد ماجد جب تک زندہ رہے انہوں نے اعلیٰ حضرت قبلہ کی ہر ضرورت کا بڑا لحاظ رکھا اور خود ہی انتظام فرمایا حتیٰ کہ ان کی خصوصی غذاؤں اور لباس کا خود ہی انتظام فرماتے رہے، کم وبیش ان کی باون سال عمر تھی کہ رحلت فرما گئے۔ اعلیٰ حضرت کے ابتداء شباب میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور بھائیوں میں بڑا ہونے کی حیثیت سے علاقہ کا سارا کام اعلیٰ حضرت کے سپرد ہوگیا۔ تحصیل مواضعات کا کام ایک مختار عام کی مدد سے ایک دو فصل یا ایک دو سال کیا۔ چوں کہ علاقہ کا کام ان کے فطری ذوق کے خلاف تھا۔ لہذا اپنی والدہ صاحبہ کی منظوری سے سارا

علاقہ اپنے منجھلے بھائی مولوی حسن رضا خاں صاحب کے سپرد کردیا۔ علاقہ ان کے سپرد فرما کر اس سے ایسے سبکدوش ہوئے کہ پھر ادھر کبھی رخ بھی نہ کیا۔

عہد طفلی

اعلیٰ حضرت قبلہ بچپن میں بھی بچوں کے ساتھ نہ کھیلے۔ محلّہ کے بچے کبھی گھر میں آ کر کھیلتے تو آپ ان کے کھیل میں شریک نہ ہوتے بلکہ دیکھا کرتے۔ اس زمانے کے بچوں میں پتنگ اڑانے کا عام رواج تھا۔ آپ پتنگ بھی نہ اڑاتے بلکہ اگر کٹی ہوئی پتنگ آپ کے گھر آ گرتی تو آپ اٹھاتے اور اپنے والد ماجد کے پلنگ کے نیچے رکھ دیتے۔ وہ آتے اور دریافت کرتے کہ میرے پلنگ کے نیچے پتنگ کس نے رکھ دی ہے عرض کیا جاتا کہ امن میاں (اعلیٰ حضرت کا چھوٹا نام) نے رکھی ہے۔ تو فرماتے انہوں نے پتنگ خود نہ اڑائی، میرے اڑانے کے لئے رکھ دی ہے۔ ہاں انہیں اللہ تعالیٰ نے لہو ولعب کے لئے پیدا ہی نہیں کیا۔

اعلیٰ حضرت قبلہ کی زبان کھلی تو صاف تھی اور بچوں کی طرح کج مج نہ تھی۔ غلط الفاظ آپ کی زبان سے سنے ہی نہ گئے۔

جب آپ قرآن پاک پڑھتے تھے تو ایک روز آپ کے سبق میں عجیب ماجرا ہوا۔ استاذ نے ایک جگہ کچھ اعراب بتایا آپ نے استاذ کے بتانے کے خلاف پڑھا۔ انہوں نے دوبارہ کرخت آواز سے بتایا آپ نے پھر وہی پڑھا جو پہلے پڑھا تھا۔ آپ کے والد ماجد جو قریب ہی کمرے میں بیٹھے تھے انہوں نے سیپارہ منگا کر دیکھا تو سیپارے میں استاد کے بتانے کے موافق تھا۔ آپ بھی وہاں چونکہ کتابت کی غلطی محسوس کر رہے تھے آپ نے قرآن پاک منگایا۔ اس میں وہی اعراب پایا جو اعلیٰ حضرت نے بار بار پڑھا تھا۔ باپ نے بیٹے سے دریافت کیا کہ تمہیں جو استاد بتاتے تھے وہی تمہارے سیپارے میں بھی تھا تم

نے استاذ کے بتانے کے بعد بھی نہیں پڑھا۔ اعلیٰ حضرت نے عرض کیا: میں نے ارادہ کیا کہ اپنے استاد کے بتانے کے موافق پڑھوں مگر زبان نے یارا نہ دیا۔ اس پر ان کے والد ماجد وفور مسرت سے آبدیدہ ہو گئے اور خدا کا شکرادا کیا کہ اس بچے کو ما انزل اللہ کے خلاف پر قدرت ہی نہیں دی گئی ہے۔ یہ تھے آثار مجددیت۔ ایک روز صبح کو بچے مکتب میں پڑھ رہے تھے، ان میں اعلیٰ حضرت بھی شامل تھے، ایک آنے والے بچے نے استاد کو بایں الفاظ سلام کیا، السلام علیکم" استاد صاحب نے جواب میں کہا جیتے رہو، آپ نے فوراً استاذ صاحب سے عرض کیا کہ یہ تو جواب نہ ہوا، انہوں نے پوچھا کہ اس کا جواب کیا ہے؟ اعلیٰ حضرت نے عرض کیا: اس کا جواب ہے وعلیکم السلام، اس پر استاد بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔ چھوٹی چھوٹی شرعی غلطی پر آپ بچپن ہی میں بلا تکلف بول دیا کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غلطی کی تصحیح قدرت ہی نے ان کی عادت ثانیہ بنادی تھی، چونکہ ان سے آگے چل کر رب العزت کو یہی کام لینا تھا۔

رب العزت نے ایسے گھر میں پیدا کیا جہاں قال اللہ قال الرسول ہی روزمرہ تھا ، اور آپ کو اس صحبت کا شوق بھی تھا، آپ اپنے والد ماجد کی صحبت میں زیادہ بیٹھتے اور مسائل بغور سنتے اور انہیں اپنے دماغ میں محفوظ رکھتے اور وقت پر بڑی جرأت سے بتادیتے کہ یہ مسئلہ یوں ہے۔ آپ کی بچپن ہی سے یہ عادت رہی کہ اجنبی عورتیں اگر نظر آجاتیں تو کرتے کے دامن سے اپنا منھ چھپا لیتے۔ دیکھئے یہ تھا الحیاء شعبة من الایمان اور فطری تقویٰ کا مظاہرہ جس سے ان کا مستقبل صاف چمکتا تھا۔

اعلیٰ حضرت کی روزہ کشائی بڑے دھوم دھام سے ہوئی۔ سارے خاندان اور حلقہ احباب کو مدعو کیا گیا۔ کھانے پکے، افطاریاں بنیں، اس میں فیرنی بھی تھی جس کے پیالے ایک کمرے میں جمانے کے لئے رکھے تھے، رمضان المبارک گرمی کے موسم میں تھا اور اعلیٰ حضرت قبلہ خورد سال تھے، مگر آپ نے بڑی خوشی سے پہلا روزہ رکھا تھا، ٹھیک

دوپہر میں چہرۂ مبارک پر ہوائیاں اڑنے لگیں، آپ کے والد ماجد نے دیکھا تو اس کمرے میں لے گئے اور اندر سے کواڑ بند کر کے اعلیٰ حضرت کو فیرنی کا ایک ٹھنڈا پیالہ اٹھا کر دیا اور فرمایا کہ لو کھالو، تو آپ نے عرض کیا میرا تو روزہ ہے، انہوں نے فرمایا کہ بچوں کے روزے یوں ہی ہوا کرتے ہیں، کمرہ بالکل بند ہے، نہ کوئی آسکتا ہے، نہ دیکھ سکتا ہے، تو اعلیٰ حضرت قبلہ نے عرض کیا کہ جس کا روزہ رکھا ہے وہ تو دیکھ رہا ہے، اس پر باپ آبدیدہ ہو گئے اور خدا کا شکر ادا کیا کہ خدا کے عہد کو یہ بچہ کبھی فراموش نہ کرے گا جس کو بھوک پیاس کی شدت میں کمزوری اور کم سنی میں ہر فرض کی فرضیت سے پہلے وفاء عہد کی فرضیت کا اتنا لحاظ و پاس ہے ۔روزے کی قضا کے بارے میں نہ ان کے کسی بڑے کی زبانی سنا، نہ کسی برابر والے نے بتایا، نہ ہم چھوٹوں نے کبھی ان کو ماہ مبارک کا کوئی روزہ قضا کرتے دیکھا۔ بعض مرتبہ ماہ مبارک میں بھی علالت ہوئی مگر اعلیٰ حضرت نے روزہ نہ چھوڑا، اگر کسی نے بہ اصرار عرض بھی کیا کہ ایسی حالت میں روزے سے کمزوری اور بڑھے گی تو ارشاد فرمایا کہ مریض ہوں تو علاج نہ کروں۔ لوگ تعجب سے کہتے تھے کہ روزہ بھی کوئی علاج ہے، ارشاد فرمایا کہ اکسیر علاج ہے ۔میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بتایا ہوا اکسیر ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

صُوْمُوْا تصحوا روزہ رکھو تندرست ہو جاؤ گے۔

اعلیٰ حضرت قبلہ کا ایک سال پاؤں کا انگوٹھا پک گیا، ان کے خاص جراح (جو شہر میں سب سے ہوشیار جراح تھے جن کو بعض سول سرجن بھی خطرناک آپریشن میں شریک کرتے تھے ان کا نام مولا بخش مرحوم تھا) نے اس انگوٹھے کا آپریشن کیا، پٹی باندھنے کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ حضور اگر حرکت نہ کریں گے تو یہ زخم دس بارہ روز میں خشک ہو جائے گا، ورنہ زیادہ وقت لگے گا، وہ یہ کہہ کر چلے گئے ۔یہ کیسے ممکن ہوسکتا تھا کہ مسجد کی حاضری اور جماعت میں پابندی ترک کر دی جائے، جب ظہر کا وقت آیا آپ نے وضو کیا ،کھڑے نہ ہو سکتے تھے تو بیٹھ کر باہر پھاٹک تک آگئے ،لوگوں نے کرسی پر بٹھا کر مسجد پہنچا دیا

اور اس وقت اہل محلہ اور خاندان والوں نے یہ طے کیا کہ علاوہ مغرب کے ہر اذان کے بعد ہم سب میں سے چار مضبوط آدمی کرسی لے کر زنانہ میں حاضر ہو جایا کریں گے، اور پلنگ ہی پر سے کرسی پر بٹھا کر مسجد کی محراب کے قریب بٹھا دیا کریں گے، اور مغرب کی نماز کے وقت کے اندازے سے حاضر ہو جایا کریں گے، یہ سلسلہ تقریباً ایک ماہ تک بڑی پابندی سے چلتا رہا، جب زخم اچھا ہو گیا اور آپ خود چلنے کے قابل ہو گئے تو یہ سلسلہ ختم ہوا۔ کرسی اٹھانے والے چار آدمیوں میں سے التزام کے ساتھ اکثر میں بھی ہوتا تھا، اس عمل کو میں اپنی بخشش کا بڑا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ نماز تو نماز ہے ان کی جماعت کا ترک بھی بلا عذر شرعی شاید کسی صاحب کو یاد نہ ہوگا۔

ان کے ہم عمروں سے اور ان کے بعض بڑوں کے بیان سے معلوم ہوا ہے کہ زمانہ شعور سے نماز با جماعت کے سخت پابند رہے، گویا قبل بلوغ ہی وہ اصحاب ترتیب کے ذیل میں داخل ہو چکے تھے۔ اور وقت وفات تک صاحب ترتیب ہی رہے، اور جمعۃ الوفات ہی ایسا جمعہ ہوا جسکو مسجد میں ادا نہ کر سکے۔ جمعہ کا وقت وصال کے وقت پورا گزر نہ پایا تھا کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کا وصال بروز جمعہ دو بجکر ۳۸ منٹ پر بتاریخ ۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ کو ہوا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے معمولات میں بچپن ہی سے ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں جن سے ان کی اسلامی زندگی صاف جھلکتی ہے۔ جو آگے چل کر چمک گئی۔ پھر تو دنیائے اسلام نے ہندوستان سے عرب تک ان کی پاک وصاف زندگی کو بچشم سر دیکھا اور سراہا۔

دور تعلیم

اعلیٰ حضرت قبلہ کا دور تعلیم بھی عجیب وغریب واقعات کا مجموعہ ہے۔ اول تو آپ کو آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی درسی کتاب پوری نہ پڑھائی۔ جب وہ دیکھتے کہ امن میاں مصنف کتاب کے طرز تحریر سے خوب واقف ہو گئے ہیں اور اپنا سارا سبق

مطالعہ ہی میں نکال لیتے ہیں۔اس کتاب میں اگر کچھ مشہور مشکل مقامات ہوتے تو ان پر عبور کرادیتے۔یا اور دوسری کتاب شروع کرادیتے۔شاید ہی کوئی کتاب پوری پڑھانا پڑی ہو۔اس طرح وہ نہایت قلیل مدت میں تمام درسی علوم کے سمندروں کو عبور کر گئے۔اور اپنی عمر کے چودھویں ہی سال میں دستار فضیلت حاصل کر کے فتویٰ نویسی کے بارسے اپنے والد ماجد کو انہوں نے بالکل سبکدوش کر دیا۔ورنہ ان کے فتاویٰ اور رسائل کا اتنا بڑا دفتر آج دنیا کے سامنے موجود نہ ہوتا۔اسلاف کرام نے کثیر التصانیف علماء چھانٹے ہیں: جیسے امام رازی،امام غزالی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اور ان کی تصانیف کو ان کی یومیہ زندگی پر تقسیم کیا ہے،کاش کہ کوئی محنت کر کے ان کی تصانیف کو تقسیم کر کے دیکھے کہ ایک جز یا کتاب کا کونسا حصہ ان کی زندگی کے ہر دن میں آتا ہے۔

ہندوستان کے علماء میں ملک العلماء حضرت مولانا عبد العلی بحر العلوم اور پھر مولوی عبد الحیٔ صاحب فرنگی محلی بھی کثیر التصانیف ہیں،مگر ان کی تصانیف میں علوم غریبہ اور فنون جدیدہ کا وجود نہیں ملتا،اس اعتبار سے بھی اعلیٰ حضرت قبلہ ہندوستان بھر کے علماء میں خاص امتیاز رکھے والے عالم ہیں۔ان کے دور تعلیم کا ایک واقعہ بھی سن لیجئے،ان کے دور تعلیم میں چھاپے خانے نہ تھے۔لہذا اکثر درسی کتابیں قلمی اور معرا پڑھی جاتی تھیں۔وہ مسلم الثبوت پڑھ رہے تھے اور زیادہ رات تک مطالعہ کرتے تھے۔جس مقام پر ان کا سبق ہونے والا تھا وہاں ان کے والد ماجد نے مولانا محب اللہ صاحب بہاری (مصنف کتاب) پر ایک اعتراض کر دیا تھا جو انہوں نے حاشیہ پر درج کر کے چھوڑ دیا تھا۔جب اعلیٰ حضرت قبلہ کی نظر اس اعتراض پر پڑی تو آپ کی بانکی طبیعت میں یہ بات آئی کہ مصنف کی عبارت کو حل ہی اس طرح کیا جائے کہ اعتراض وارد ہی نہ ہو۔آپ اس حل کو ایک بجے رات تک سوچتے رہے بالآخر تائید غیبی سے وہ حل سمجھ میں آگیا۔آپ کو انتہائی مسرت ہوئی اور اس وفور مسرت میں بے اختیار آپ کے ہاتھوں سے تالی بج گئی۔اس سے سارا گھر جاگ گیا اور کیا ہے کیا

ہے کا شور مچ گیا۔ تو آپ نے اپنے والد ماجد کو کتاب کی عبارت اور اس کا عام مطلب اور اس پر ان کا اعتراض سنانے کے بعد آپ نے اپنی طرف سے اس عبارت کی ایک ایسی تقریر کی کہ وہ اعتراض ہی نہ پڑا، اس پر باپ نے گلے سے لگا لیا اور فرمایا کہ امن میاں تم مجھ سے پڑھتے نہیں بلکہ مجھے پڑھاتے ہو۔

اعلیٰ حضرت کے دور تعلیم ہی سے العلماء ورثة الانبیاء کا برابر مظاہرہ ہوتا چلا گیا (علماء علم میں نبیوں کے وارث ہوتے ہیں) یہ حالات دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے۔

یہ تھا آغاز وہ انجام ہے احمد رضا خاں کا

جوانی میں ہوئے عالم، بڑھاپے میں ہوئے کامل

تعلیم و تربیت

جب اعلیٰ حضرت قبلہ کا دور تعلیم شروع ہوا تو پہلے ایک صاحب نے انہیں قرآن پاک اور ابتدائی اردو پڑھائی، اس کے بعد اردو اور فارسی نیز عربی کی ابتدائی تعلیم حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ صاحب نے دی (جو ان کے والد ماجد کے دوست اور بڑے متقی اور پرہیز گار تھے) اعلیٰ حضرت قبلہ جب ابتدائی درسی کتابیں پڑھ کر فارغ ہوئے تو ان کے والد ماجد نے ان کی تعلیم اپنے ذمہ لی۔ ان کے والد مولانا نقی علی خاں صاحب بڑے زبر دست عالم مفتی اور مصنف تھے، ان کا شمار ہندوستان کے بڑے علماء میں تھا، باپ کی خاص توجہ سے بیٹے نے حیرت انگیز ترقی کی، اسی دوران تعلیم میں آپ اپنے پھوپھا (جناب شیخ فضل حسن مرحوم) کے بلانے پر رام پور گئے، انہوں نے بہ اصرار روکا، اعلیٰ حضرت قبلہ نے یہ وقت بھی تحصیل علم میں صرف کیا اور بایماء الحاج نواب کلب علی خاں مرحوم مغفور شرح چغمنی کے کچھ اسباق مولانا عبد العلی صاحب مرحوم سے پڑھے۔ ہمارے نانا فضل حسن صاحب بریلی کے ساکن تھے، رام پور میں وہ محکمۂ ڈاک کے افسر اعلیٰ تھے اور الحاج نواب

کلب علی خاں کے خاص مقربین میں ان کا شمار تھا، انہوں نے نواب صاحب سے اعلیٰ حضرت قبلہ کی حیرت انگیز ذہانت کا پہلے ہی ذکر کر دیا تھا، جب یہ رامپور گئے تو نواب صاحب کے روبرو پیش کر دیا۔نواب صاحب نے بات چیت ہی سے اندازہ کرلیا کہ یہ لڑکا بہت ہونہار ہے،تو ان کی خوشی یہ ہوئی کہ یہ رام پور میں ہی مولانا عبدالعلی صاحب اور مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی سے تعلیم حاصل کریں۔ اس لئے کہ مولانا عبدالعلی صاحب ریاضی میں اور مونانا عبدالحق صاحب منطق وفلسفہ واصول وکلام وغیرہ میں یگانۂ روزگار مانے جاتے تھے، چنانچہ مولاعبدالحق صاحب خیرآبادی سے نواب صاحب مرحوم کے سامنے جو بات چیت ہوئی اس کا تذکرہ ''حیات علیٰ حضرت (۱)
میں ناظرین دیکھ سکتے ہیں۔ باپ کے شدید بلاوے سے اعلیٰ حضرت قبلہ کو بریلی آنا پڑا، یہاں پھر تعلیم کا دور شروع ہوا، چند ہی روز میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ علوم وفنون کے دریاؤں میں ایک ماہر شناور کی طرح تیرنے لگے اور اب وہ باپ کی ساری امیدوں کا صحیح مرکز بن گئے ، یہاں تک کہ تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے۔

اب تو بیٹے کی روز افزوں ترقی دیکھ کر باپ کی مسرتوں کی کوئی انتہا نہ رہی، تکمیل کے بعد ہی باپ نے فتویٰ نویسی کا کام بیٹے کے سپرد کر دیا۔حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب اس وقت بریلی اور دیگر اضلاع روہیل کھنڈ میں مرجع فتاویٰ تھے، جو فتوے ان کے پاس آتے اعلیٰ حضرت قبلہ ان کا جواب لکھتے ،باپ کو دکھاتے ،باپ کو انتہائی مسرت اس کی تھی کہ بیٹے کے فتاوی میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ملتی ہے۔

ایک فتوے میں باپ بیٹے کی رائے میں اختلاف ہوا تو منصف مزاج باپ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس فتوے کا ایک جواب میں لکھتا ہوں، میرے تمہارے دونوں فتوے تصدیق

....

۱؎ مصنفہ ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ ۱۲

کے لئے علماء رام پور کے سامنے پیش کردیئے جائیں۔ رام پور الحاج نواب کلب علی خاں کے دور میں اس وقت وہاں علماء اہلسنت کا جم غفیر موجود تھا، چنانچہ سعادت نامی ایک صاحب یہ دونوں فتوے لیکر نانا فضل حسن صاحب کے پاس رام پور گئے۔ نانا فضل حسن صاحب نے یہ دونوں فتوے علماء رام پور میں بغرض تصدیق گھما دیئے اور تصدیقات حاصل کر کے انہیں سعادت کے ہاتھ بریلی بھیج دیا، یہاں فتوے دیکھے گئے، اعلیٰ حضرت قبلہ کے فتوے پر تصدیقات بہت زیادہ تھیں اور باپ کے فتوے سے صرف دو عالموں نے اتفاق کیا تھا، انصاف پسند باپ نے جب فتوے دیکھے تو بیٹے کو گلے سے لگا لیا اور اپنی رائے سے رجوع فرمایا، اس دن سے اعلیٰ حضرت کی قدر و منزلت باپ کے دل میں بہت بڑھ گئی۔ اعلیٰ حضرت کی والدہ ماجدہ بھی ان مسرتوں میں برابر کی شریک تھیں۔ وہ مغلیہ خاندان کی بڑی غیور، انتہائی ہوشمند اور رائے صائب رکھنے والی خاتون تھیں، انہوں نے بڑی عمر پائی، اعلیٰ حضرت کے عہد طفلی کے اکثر حالات مجھے انہیں سے معلوم ہوئے، مولانا نقی علی خاں اپنے خاندان اور احباب میں سلطان عقل مشہور تھے، اعلیٰ حضرت کی والدہ وزیر عقل کہلائیں۔

شادی

تعلیم مکمل ہو جانے کے بعد اعلیٰ حضرت قبلہ کی شادی کا نمبر آیا۔ ہمارے نانا فضل حسن صاحب کی منجھلی صاحبزادی سے نسبت قرار پائی۔ شرعی پابندیوں کے ساتھ شادی ہو گئی۔ یہ ہماری محترمہ اماں جان رشتہ میں اعلیٰ حضرت قبلہ کی پھوپھی زادی تھیں۔ صوم و صلوۃ کی سختی سے پابند تھیں۔ نہایت خوش اخلاق، بڑی سیر چشم، انتہائی مہمان نواز، نہایت متین و سنجیدہ بی بی تھیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے یہاں مہمانوں کی بڑی آمد رہتی تھی، ایسا بھی ہوا ہے کہ عین کھانے کے وقت ریل سے مہمان اتر آئے اور جو کچھ کھانا پکنا تھا وہ سب

پک چکا تھا، اب پکانے والیوں نے ناک بھوں سمیٹی، آپ نے فوراً مہمانوں کے لئے کھانا اتار کر باہر بھیج دیا اور سارے گھر کے لئے دال چاول یا کھچڑی پکنے کو رکھوا دی گئی کہ اس کا پکنا کوئی دشوار کام نہ تھا، جب تک مہمانوں نے باہر کھانا کھایا گھر والوں کے لئے بھی کھانا تیار ہوگیا۔ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی کہ کیا ہوا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کی ضروری خدمات وہ اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت کے سر میں تیل ملنا یہ ان کا روزمرہ کا کام تھا جس میں کم وبیش آدھا گھنٹہ کھڑا رہنا پڑتا تھا، اور اس شان سے تیل جذب کیا جاتا تھا کہ ان کے لکھنے میں اصلاً فرق نہ پڑے، یہ عمل ان کا روزانہ مسلسل تا حیات اعلیٰ حضرت برابر جاری رہا، سارے گھر کا نظم اور مہمان نوازی کا عظیم بار بڑی خاموشی اور صبر و استقلال سے برداشت کر گئیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے وصال کے بعد بھی کئی سال زندہ رہیں مگر اب بجز یاد الٰہی کے انہیں اور کوئی کام نہ رہا تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے گھر کے لئے ان کا انتخاب بڑا کامیاب تھا۔ رب العزت نے اعلیٰ حضرت قبلہ کی دینی خدمات کے لئے جو آسانیاں عطا فرمائی تھیں ان آسانیوں میں ایک بڑی چیز اماں جان کی ذات گرامی تھی۔ قرآن پاک میں رب العزت نے اپنے بندوں کو دعائیں اور مناجاتیں بھی عطا فرمائی ہیں۔ تا کہ بندوں کو اپنے رب سے مانگنے کا سلیقہ آجائے ان میں سے ایک دعا یہ بھی ہے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فی الدنیا حسنة و فی الاٰخرة حسنة و قنا عذاب النار۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور جہنم کے عذاب سے بچا۔

تو دنیا کی بھلائی سے بعض مفسرین نے ایک پاکدامن ہمدرد اور شوہر کی جاں نثار بیوی مراد لی ہے۔ ہماری اماں جان عمر بھر اس دعا کا پورا اثر معلوم ہوتی رہیں۔ اپنے دیوروں اور نندوں کی اولاد سے بھی اپنے بچوں جیسی محبت فرماتی تھیں، گھرانے کے اکثر بچے انہیں اماں جان ہی کہتے تھے۔ اب کہاں ایسی پاک ہستیاں (رحمة اللہ تعالیٰ علیہا و علیٰ بعلها و ابنها)

بیعت وخلافت

ایک روز اعلیٰ حضرت قبلہ کسی خیال میں روتے روتے سو گئے ،اس لئے کہ قیلولہ (دو پہر کو لیٹنا جو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے)اس خاندان میں اب تک رائج ہے۔اعلیٰ حضرت قبلہ بھی اس سنت پر مدۃ العمر عامل رہے۔خواب میں اعلیٰ حضرت قبلہ کے دادا حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب تشریف لائے اور فرمایا وہ شخص عنقریب آنے والا ہے جو تمہارے اس درد کی دوا کریگا ،چنانچہ اس واقعہ کے دوسرے یا تیسرے روز تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی علیہ الرحمہ تشریف لائے ، ان سے بیعت کے متعلق مشورہ ہوا اور یہ طے ہوا کہ جلد ہی مارہرہ شریف چل کر بیعت ہو جانا چاہیئے ،چنانچہ یہیں سے یہ تینوں حضرات مارہرہ شریف کو چل پڑے (اعلیٰ حضرت ،ان کے والد ماجد اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب)جب حضرت مارہرہ شریف پہونچے اور آستانۂ عالیہ برکاتیہ پر حاضری ہوئی تو وہاں کے صاحب سجادہ حضرت سیدنا ومولانا آل رسول قدس سرہ سے اعلیٰ حضرت قبلہ اور ان کے والد ماجد کی پہلی ملاقات ہوئی تو انہوں نے اعلیٰ حضرت قبلہ کو دیکھتے ہی جو الفاظ فرمائے تھے وہ یہ تھے"۔آیئے ہم تو کئی روز سے آپ کے انتظار میں تھے" اعلیٰ حضرت اور ان کے والد ماجد بیعت ہوئے اور مرشد برحق نے تمام سلاسل کی اجازت عطا فرما کر تاج خلافت اعلیٰ حضرت کے سر پر اپنے دست کرم سے رکھ دیا۔یوں یہ خلش جس کے لئے اعلیٰ حضرت روتے تھے رب العزت نے نکال دی ۔شریعت کی تعلیم وتربیت باپ سے ملی تھی اور طریقت کی تکمیل پیرومرشد نے کرادی۔اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ شریعت وطریقت دونوں کے امام ہوگئے۔زندہ باد اعلیٰ حضرت زندہ باد۔بعض مریدین نے جو اس وقت حاضر تھے حضرت سیدنا آل رسول قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضور اس بچے پر یہ کرم کہ مرید ہوتے ہی تمام سلاسل کی اجازت وخلافت عطا

ہوگئی نہ ضروری ریاضت کا حکم ہوا، نہ چلہ کشی کرائی، اس کے جواب میں حضرت سیدنا آل رسول نے فرمایا کہ تم کیا جانو، یہ بالکل تیار آئے تھے، انہیں صرف نسبت کی ضرورت تھی تو یہاں آکر وہ ضرورت بھی پوری ہوگئی۔ یہ فرما کر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ رب العزت دریافت فرمائے گا کہ آل رسول تو دنیا سے ہمارے لئے کیا لایا، تو میں احمد رضا کو پیش کروں گا۔ مارہرہ شریف ضلع ایٹہ میں ایک قصبہ ہے اور اس میں سادات کرام کا یہ خاندان بلگرام شریف سے آکر آباد ہوا ہے، یہ حسنی و حسینی سادات قادری نسل سے ہیں اور نسبت بھی قادری ہے، اس خاندان میں بڑے بڑے اولیاء کرام ہوئے، اعلیٰ حضرت قبلہ کے مرشد سیدنا شاہ آل رسول انہیں میں سے ایک تھے۔ ان کا اپنے دور کے اولیائے کرام میں شمار تھا ۔علمائے کرام بدایوں بھی اسی خاندان سے بیعت ہوئے اور علمائے کرام بریلی کو بھی اسی دو دمان پاک کی غلامی پر فخر ہے۔
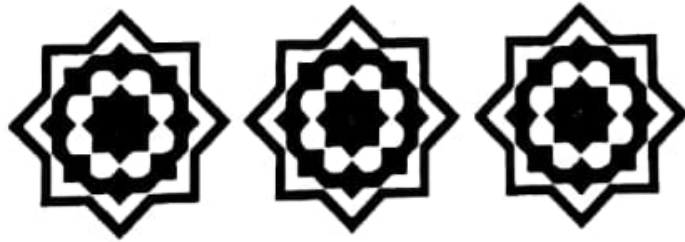
دوسرا باب

دینی وتجدیدی خدمات

اسلامی فطرت

قدرت کے فیاض ہاتھوں نے انہیں خالص اسلامی فطرت عطا فرمائی اور اس کے ساتھ ہی ذہن۔ حافظہ۔ دل۔ دماغ۔ حواس ظاہری و باطنی ایسے عطا فرمائے تھے جو عام انسانوں کے ان قوی سے بالاتر تھے۔ اس کے ساتھ ہی جرأت اور بہادری ان کے خمیر میں تھی۔ اس واسطے کہ وہ پٹھان اور اعلیٰ درجہ کے مسلمان تھے۔ یہ سب اوصاف ان میں اس لئے جمع کر دیئے گئے تھے کہ وہ مجددیت کے فرائض کو بہتر طریقہ سے بڑی جرأت کے ساتھ انجام دے سکیں۔ تو انہوں نے بھی فرائض مجددیت خوب خوب انجام دیئے۔ بیسوں مردہ سنتیں زندہ کیں۔ بدعتیں مٹائیں۔ فتنے ملیامیٹ کیے اور فتنہ پردازوں کو رہتی دنیا تک بے نقاب کر دیا۔ ان کی اس جرأت نے فتنہ پردازوں کی دنیا میں آگ لگا دی۔ مولانا حسن رضا خاں مرحوم نے علاقہ کے کام کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ایسی خدمات انجام دیں کہ آج جنکی مثال ملنا مشکل ہے۔ وہ علاقے کی تحصیل کرتے اور اعلیٰ حضرت قبلہ کے گھر کی تمام ضروریات فراہم کرتے۔ اب اعلیٰ حضرت قبلہ صرف فتاویٰ کے جوابات اور تصانیف میں منہمک رہنے لگے اور یہ انہماک مدت العمر جاری رہا۔ کسی علالت میں یہ کام بند نہ ہوا علالت میں بھی مرض سے اگر ذرا سہولت ملتی تو اپنا کام کرنے لگتے اور انہیں

گھر کی طرف نگاہ کرنے کی بھی ضرورت نہ پڑی۔اعلیٰ حضرت قبلہ کے ذمہ قدرت نے دین ہی کی خدمت سپرد کی تھی، اس لئے ان کو قدرتی اسباب نے دنیا سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا ۔ایسا کہ انہیں اس طرف دیکھنے کی بھی ضرورت نہ پڑی ۔اعلیٰ حضرت قبلہ کی دو بیٹیوں کی شادی ہونے والی تھی، دونوں کے نکاح حسب دستور خاندان پہلے ہی ہو چکے تھے، رخصتی کا جب تقاضا ہوا تو مولانا حسن رضا خاں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بھائی جان حاجی احمد اللہ خاں صاحب (سمدھی) کا رخصتی کے لئے تقاضا آیا ہے، وہ آپ سے بیاہ کی تاریخ مانگتے ہیں، میری رائے یہ ہے کہ ہم دونوں بیٹیوں کی شادی ایک ساتھ کیوں نہ کر دیں۔اعلیٰ حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک بیٹی کی شادی کوئی آسان کام نہیں نہ کہ ایک ساتھ دو کی ۔ بیٹی کی شادی میں لوگ بڑے ساز و سامان کرتے ہیں تم نے کچھ ضروری سامان بھی کر لیا ہے یا مجھ سے تاریخ مقرر کرانے آ گئے ؟

مولانا حسن رضا خاں نے عرض کیا کہ سامان کی تیاری کے متعلق آپ بھابی جان سے دریافت فرما لیجئے ۔اعلیٰ حضرت نے ان سے فرمایا کہ بیٹیوں کی شادی کے لئے کیا کیا سامان تیار ہو گیا اور کیا کمی رہ گئی ہے۔بی بی صاحبہ نے عرض کیا کہ ہمارے پاس تو مسالے بھی پسے تیار رکھے ہیں۔دونوں کے جہیز مکمل ہو گئے ہیں۔ برات میں کھانے والوں کا کل سامان مہیا ہو چکا ہے۔صرف تاریخ کی دیر ہے۔اعلیٰ حضرت قبلہ نے جب بی بی صاحبہ سے یہ الفاظ سنے تو وفور مسرت سے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ حسن میاں تم نے مجھے دنیا سے بالکل بے نیاز کر دیا ہے۔میری بیٹیوں کی شادیاں ہیں۔ میں ان کا باپ ہوتے ہوئے بالکل بے خبر اور آزاد بیٹھا ہوں۔تم نے مجھے یہ سوچنے کی بھی زحمت نہ دی کہ جہیز میں کیا کیا دیا جائے گا۔اور وہ کہاں کہاں سے فراہم ہوگا۔یا یہ کہ برات میں کیا کیا کھانے دیئے جائیں گے۔آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ حسن میاں جو کچھ میں دین کی خدمت کر رہا ہوں اس کے اجر میں باذن اللہ حصہ دار تم بھی ہو۔اس واسطے کہ تمہیں نے مجھے دینی خدمات کے لئے دنیا سے آزاد کر دیا ہے۔اس پر مولانا

حسن رضا خاں رو پڑے۔ قدرے سکون کے بعد تاریخ بھی مقرر فرمادی۔ مولانا حسن رضا خاں مرحوم کا یہ عمل بھی مدتوں جاری رہا کہ ہفتہ عشرہ میں اپنے یہاں سے دو قلم بنا کے لے جاتے اور اعلیٰ حضرت کے قلمدان میں رکھ آتے اور ان کے گھسے ہوئے قلم خود لے آتے۔ انہیں اتنی فرصت کہاں تھی کہ لکھنا چھوڑ کر قلم بنائیں۔ اگر لکھتے لکھتے قلم ایک طرف کی گھس جاتی تو دوسری نوک سے لکھنے لگتے۔ مضمون کی آمد میں خلل نہ آنے دیتے۔ مولانا حسن رضا خاں جب تحصیل وصول کے لئے گاؤں جاتے تو پہلے اپنی بڑی بھاوج کے وہاں آتے جہاں گھی تیل اینڈھن اور غلوں کے وزن وغیرہ معلوم کرتے، وہیں چارپائیاں تخت چوکی وغیرہ کے متعلق دریافت کرتے کہ گھر میں اگر ان چیزوں کی کمی ہو تو یہ سامان بھی گاؤں سے بن کر غلہ اینڈھن وغیرہ کی گاڑیوں میں آجائے۔ ایک بزاز مقرر کر رکھا تھا جو ہر فصل پر فصلی ضرورت کے کپڑوں کے تھان لاتا، وہ کپڑا اپنی بھاوج صاحبہ سے پسند کراتے اور سارے گھر کا کپڑا خرید کر دیتے۔ صرف روزانہ کی ترکاری گوشت ایسا تھا جو اعلیٰ حضرت قبلہ کا دیوڑھی بان لایا کرتا تھا۔ غرض یہ کہ انہوں نے جس دن سے علاقہ کا کام کیا اعلیٰ حضرت قبلہ کی اسی انہماک کے ساتھ دیگر خدمات بھی انجام دیں۔ جب ۱۳۲۶ھ میں ان کی وفات ہوگئی تو ان کی جگہ ان کے چھوٹے بھائی مولوی محمد رضا خاں صاحب آئے۔ انہوں نے بھی بہت کچھ خدمت کی۔ سارے علاقے کی تحصیل کر کے حسب دستور قدیم اعلیٰ حضرت قبلہ کا روپیہ اپنی بڑی بھاوج کی خدمت میں پیش کر دیتے اور غلہ و اینڈھن وغیرہ کا معقول انتظام کرتے۔ علاقے کے کام کی وجہ سے انہیں مولانا حسن رضا خاں صاحب جیسی خدمات کا موقع ملا۔ انہوں نے اپنے انتظام سے اعلیٰ حضرت کے ایک بیٹے اور دو بیٹیوں کی شادیاں کیں۔ اور مولانا حسن رضا خاں صاحب نے اعلیٰ حضرت قبلہ کے ایک بیٹے اور تین بیٹیوں کی شادیاں اپنے اہتمام سے کی تھیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کی اولاد کی سات شادیاں ہوئیں۔ نکاح اعلیٰ حضرت نے پڑھائے۔ ان کے دونوں بھائیوں نے انہیں دنیا کی چپقلش میں نہ

پڑنے دیا حالانکہ ان کی دنیا کافی بڑی تھی۔ یہ تھا وہ نظام قدرت کہ انہیں جب اس صدی کا مجدد بنایا گیا تو ان کے دنیا کے کاموں میں آسانیاں فراہم کر دیں اور کار متعلقہ کے سارے مواقع ختم فرما دیئے۔ اتنا ضرور عرض کرونگا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ نے اپنے بھائیوں سے یہ کبھی نہ پوچھا کہ تم نے کتنا روپیہ وصول کیا اور کتنا اپنی بھاوج کو دیا۔

خادم دین

لاتجد قوما یومنون بالله و الیوم الاخر یوادّون من حادّ الله و رسوله و لو کانوا اباء هم او ابناء هم او اخوانهم او عشیرتهم اولئك کتب فی قلوبهم الایمان و ایدهم بروح منه ۔(۲۸ع ۳۔مجادلہ)

ترجمہ:۔(اے محبوب) نہ پائیں گے آپ ان لوگوں کو اللہ و رسول کے دشمنوں سے دوستی رکھیں گے اگر چہ وہ (دشمنان خدا ورسول ان کے باپ ہوں یا اولاد ہوں یا بھائی ہوں یا ان کے کنبہ قبیلہ کے ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں رب العزت نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعے مدد فرمائی۔

اس آیۂ کریمہ میں رب العزت نے اپنے پیارے بندوں کی فطرت بطور ان کی نشانی کے بیان فرمائی ہے۔ خداوند عالم کے محبوب بندوں کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ اللہ و رسول کے سرکش بندوں سے الگ تھلگ رہیں اور الگ تھلگ رہنے کا اعلان بھی کرتے رہیں تا کہ بھولے بھالے مسلمان بھی ان سے بچیں۔ وہ بھی اگر اسی نشانی کے ہو جائیں گے تو جو بشارت خدا نے اپنے پیارے بندوں کو دی ہے اس کے یہ بھی مستحق ہو جائیں گے۔ وہ بشارت دنیا میں ایمان اور تائید غیبی کی بشارت ہے۔ آیت (**لا تجد الیٰ انما عشیرتهم**) یہ خدا ہی کے محبوب بندوں کی نشانی ہے۔ اس نشانی کو اعلیٰ حضرت نے اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا۔ ان کی ساری عمر کا سرمایہ ان کی تصنیف کردہ کتابیں ہیں۔ تو جو نشانی

رب العزت نے اپنے محبوب بندوں کی بتائی ہیں وہی ہر کتاب کا سبب تالیف یا موضوع ہے الا ماشاء اللہ۔ اے برادران اسلام جس میں یہ نشانی پاؤ اس کے ساتھ ہو جاؤ تو تم بھی ایمان اور تائید غیبی کی بشارت پا جاؤ گے۔ اب ذرا اعلیٰ حضرت کی زندگی پر نظر ڈالیں کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس آیۂ کریمہ کے مفہوم سے کبھی وہ باہر ہوئے۔ انہوں نے مدت العمر دین کو چمکایا اور دشمنان دین سے دنیا و اسلام کو بچایا۔ ان کی ساری زندگی میں ان سے اس آیۂ کریمہ کی تفسیر ہوتی رہی۔ یہ مزید برآں ہے کہ آیۂ کریمہ کا پہلا حصہ خاصان خدا کی مختصر سوانح عمری ہے، جس میں اعلیٰ حضرت کی پاک زندگی روز روشن کی طرح چمک رہی ہے۔ دوسرے حصہ میں انہیں خاصان خدا کے لئے بشارت ہے یہ حسن اتفاق ہے کہ وہی حصہ آیت (اعلیٰ حضرت کی تاریخ ولادت بنا)

عاشق رسول

الا لا ایمان لمن الا محبة له۔

اس کا ایمان کامل نہیں جس کے دل میں محبت نہیں

اس کی تصریح خود سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرما دی ہے فرماتے ہیں:

لا یؤمن احد کم حتیّٰ اکون احب الیه منْ والدِہٖ وولده والنّاس اجمعین.

ترجمہ:۔ تم میں کا کوئی شخص مومن ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں باپ سے بیٹے سے اور سب لوگوں سے۔

اعلیٰ حضرت نے بھی سب سے زیادہ اس کی تبلیغ کی، مدۃ العمران کی ہر تحریر کا ہر تقریر کا یہی عطر رہا، وہ اکثر فرماتے تھے کہ سرکار کی غلامی کے بغیر عبادت و ریاضت بیکار ہے، ان کی نظر میں سرکار دو عالم ﷺ سے سوء ظن رکھنے والے کولہو کے بیل کی طرح ہیں کہ صبح

سے شام تک چلے، صبح کو جہاں سے چلے تھے شام کو وہیں ملے۔ ایمان نام ہے عشق سرکار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا۔ اب آپ اعلیٰ حضرت کے عشق سرکار رسالت کی تصدیق ان کے مخالفین کی زبان سے سن لیجئے ہفت روزہ اخبار چٹان'' پاکستان نے مولوی اشرف علی صاحب کے تذکرے سے کسی قدر محرف عبارت نقل کی ہے ''مولوی اشرف علی صاحب نے فرمایا میرے دل میں احمد رضا کے لیے بے حد احترام ہے، وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشق رسول کی بناء پر کہتا ہے، کسی اور غرض سے تو نہیں کہتا ہے''

میں نے جن الفاظ پر خط کشیدہ کر دیے ہیں، میرے نزدیک مولوی اشرف علی صاحب کی زبان کے نہیں۔ اعلیٰ حضرت کا نام (اس کے بعد کہ وہ ان کے احترام کے اسی عبارت میں مقر ہیں) اس طرح ہرگز نہ لیتے۔ نہ وہ خطابت میں اس بدتمیزی کو روا رکھتے۔ مولوی اشرف علی صاحب نے ہمارے مذکورۂ بالا مضمون کی خود تائید کر دی، اس واسطے کہ اعلیٰ حضرت نے جو ان کی تکفیر کی ہے اس کا سبب وہ عشق سرکار رسالت ہی کو قرار دیتے ہیں، اور اعلیٰ حضرت کو عاشق سرکار رسالت ماننا ہی ان کے مومن کامل ہونے کی تصدیق ہے۔ مولوی اشرف علی صاحب کا ایک اور واقعہ اخبار چٹان میں ہے کہ ''حکیم الامت ایک بڑے جلسے سے خطاب کر رہے تھے، ابھی آپ نے تقریر شروع ہی کی تھی کہ خبر ملی مولانا احمد رضا خاں بریلوی انتقال کر گئے ہیں، اسی وقت تقریر بند کر دی اور غمزدہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب سے ہمارا زندگی بھر اختلاف رہا لیکن ان کے لئے ہم مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

انہوں نے اور ان کے ساتھ سارے مجمع نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے لئے دعاء مغفرت کی۔ اشرف علی صاحب کے ملفوظات وغیرہ میں اکثر ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے ان کے دل میں اعلیٰ حضرت کا احترام ظاہر ہوتا ہے، خصوصاً وہ عشق سرکار رسالت کے سلسلے میں تو عمر بھر اعلیٰ حضرت قبلہ کے مداح ہی رہے اور اعلیٰ حضرت کے پیچھے نماز پڑھنے کا

ارادہ بھی انہوں نے کسی جگہ ظاہر کیا ہے[1] یہ فیض و برکت ہے عشق سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کہ مخالفین کے دلوں میں بھی ان کا احترام رکھ دیا گیا۔ یہ بالکل انوکھی بات ہے جو مجدد ہی کی شان ہوسکتی ہے۔ جمعہ کے دن عصر کے وقت اعلیٰ حضرت قبلہ کے وصال کا تار جب حضرت استاذ العلماء مولانا نعیم الدین صاحب کے نام مرادآباد پہونچا تو انہوں نے فوراً طلبہ کے ایک گروہ کو مامور کیا کہ وہ شہر میں اعلان کردیں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے آج جمعہ کے وقت داعیٔ اجل کو لبیک کہا ہے، وہ کل دفن ہونگے، جو صاحب جنازہ میں شریک ہونا چاہیں وہ بریلی چلیں، طلبہ کی جماعت یہ اعلان کرتی ہوئی جب شاہی مسجد کے قریب پہونچی تو نماز مغرب ہوچکی تھی میں (سید مدنی صاحب) اکیلا نماز پڑھ رہا تھا اور میرے قریب ہی ایک مولوی صاحب جو عقیدتاً وہابی اور مدرسے کے صدر مدرس تھے وہ اپنے چند معتقدین میں بیٹھے باتیں کررہے تھے، اعلان کی آواز سن کر انہوں نے ایک طالب علم کو حکم دیا کہ دیکھو بازار میں کیا اعلان ہورہا ہے۔ طالب علم گیا اور اس نے خوشی کے لب و لہجہ میں آکر کہا ''خاں صاحب بریلوی ختم ہوگئے'' اس پر مولوی صاحب غصہ میں بھر گئے، انہوں نے کہا کہ یہ مسلمان کے لئے خوش ہونے کی بات ہے یا خون کے آنسو رونے کی بات ہے۔ مولانا احمد رضا خاں سے ہماری مخالفت اپنی جگہ تھی مگر ہمیں ان کی ذات پر بڑا فخر تھا، غیر مسلموں سے ہم آج تک بڑے فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتے تھے کہ دنیا بھر کے علوم اگر کسی ایک ذات میں جمع ہوسکتے ہیں تو وہ مسلمان ہی کی ذات ہوسکتی ہے۔ دیکھ لو مسلمانوں ہی میں مولوی احمد رضا خاں کی ایسی شخصیت آج بھی موجود ہے جو دنیا بھر کے علوم میں یکساں مہارت رکھتی ہے۔ ہائے افسوس کہ آج ان کے ساتھ ہمارا یہ فخر بھی

---

[1] اسوۂ اکابر ص ۱۸ اپر ہے۔ ''اگر مجھ کو مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقعہ ملتا تو میں پڑھ لیتا۔'' ۱۲ اور اشرف السوانح ص ۱۲۹ ج ۱ پر ہے۔ ہوسکتا ہے ان کی (اعلیٰ حضرت کی) مخالفت کا سبب واقعی حب رسول ہی ہو'' (امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں از مولانا یٰسین اختر مصباحی)

رخصت ہو گیا۔

مولوی اشرف علی صاحب کو بریلی سے ان کے کسی مرید نے اعلیٰ حضرت قبلہ کے وصال پر مسرت کا تار دیا جوان کے ہاتھ میں پہونچا۔تار کا مضمون خود راوی صاحب نے پڑھ کر سنایا تو انہوں نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھی۔حاضرین میں سے کسی نے مولوی اشرف علی صاحب سے کہا کہ انہوں نے آپ کو کافر کہا اور آپ ان کی موت پر انا للہ پڑھتے ہیں ۔مولوی اشرف علی صاحب لے اس کا جواب دیا کہ وہ عشق رسول مقبول میں بہت ڈوبے ہوئے تھے اور بڑے عالم تھے،انہوں نے میری عبارت کا جو مطلب سمجھا اور اس کی بنا پر جو کچھ لکھا وہ اپنی جگہ صحیح تھا،اگر میں ان کی جگہ ہوتا اور وہ میری جگہ ہوتے اور ان کے قلم سے یہ الفاظ سرزد ہوتے تو اس مطلب کی بنا پر جو وہ سمجھے تھے میں بھی ان کی تکفیر ہی کرتا ۔خورشید علی خاں صاحب ایس ڈی او نہر وہاں موجود تھے انہوں نے ہی میرے عزیز برادر زادے مولوی سردار علی خاں مرحوم سے یہ واقعہ بیان کیا۔

مجدد وقت

اعلیٰ حضرت قبلہ کے فیضان مجددیت کا ظہور ۱۳۰۱ھ کے آغاز سے ہوا۔یہ واقعہ ذرا تفصیل طلب ہے:واقعہ یہ ہے کہ ہمارے چچا مولوی محمد شاہ خاں صاحب عرف نتھن خاں صاحب مرحوم سوداگری محلّہ کے قدیمی باشندے تھے،اعلیٰ حضرت سے عمر میں ایک سال بڑے تھے،بچپن ساتھ گزرا،ہوش سنبھالا تو ایک ہی جگہ نشست و برخاست رہی،ایسی حالت میں آپس میں بے تکلفی ہونا ہی تھی ۔ان کو اعلیٰ حضرت قبلہ نتھن بھائی جان کہتے تھے۔اور ان کے ایک سال بڑے ہونے کا بڑا لحاظ فرماتے تھے۔یہ بھی اکثر سفر و حضر میں ساتھ ہی رہتے ۔آدمی ذی علم تھے۔گھر کے خوشحال زمیندار تھے۔یہاں تک کہ ندوہ کے مقابلہ میں جب اعلیٰ حضرت قبلہ نے بہار و کلکتہ کا سفر کیا تھا تو نتھن میاں بھی ساتھ رہے۔میں نے اپنے ہوش سے انہیں اعلیٰ حضرت قبلہ کی صحبت میں خاموش اور مؤدب ہی بیٹھے دیکھا۔انہیں اگر مسئلہ

دریافت کرنا ہوتا تو دوسروں کے ذریعہ سے دریافت کراتے۔ میں مدتوں سے یہ ہی دیکھ رہا تھا۔ ایک روز میں نے چچا سے عرض کیا کہ اعلیٰ حضرت تو آپ کی بزرگی کا لحاظ کرتے ہیں ۔آپ ان سے اس قدر کیوں جھجکتے ہیں کہ مسئلہ خود نہیں دریافت کر سکتے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم اور وہ بچپن سے ساتھ رہے۔ ہوش سنبھالا تو نشست و برخاست ایک ہی جگہ ہوتی۔ نماز مغرب پڑھ کر ہمارا معمول تھا کہ ان کی نشست میں آبیٹھتے۔ سید محمود شاہ صاحب وغیرہ چند ایسے احباب تھے کہ وہ بھی اس صحبت کی روزانہ شرکت کرتے۔ عشاء تک مجلس گرم رہتی۔ اس مجلس میں ہر قسم کی باتیں ہوتی تھیں۔ علمی مذاکرے ہوتے تھے۔ دینی مسائل پر گفتگو ہوتی اور تفریحی قصے بھی ہوتے۔ جس دن محرم ۱۳۰۱ھ کا چاند ہوا ہے اس دن حسب معمول ہم سب بعد مغرب اعلیٰ حضرت کی نشست گاہ میں آگئے۔

اعلیٰ حضرت خلاف معمول کسی قدر دیر سے پہونچے۔ حسب معمول سلام علیک کے بعد تشریف رکھی ۔اور لوگ بھی تھے، مجھے مخاطب کر کے فرمایا: کہ ننھن بھائی جان آج ۱۳۰۱ھ کا چاند ہو گیا، میں نے عرض کیا کہ میں نے بھی دیکھا بعض اور ساتھیوں نے چاند دیکھنا بیان کیا۔ اس پر فرمایا کہ بھائی صاحب یہ تو صدی بدل گئی۔ میں نے بھی عرض کیا صدی تو بے شک بدل گئی۔ خیال کیا تو واقعی اس چاند سے چودھویں صدی شروع ہوئی تھی، اس پر فرمایا کہ اب ہم آپ کو بھی بدل جانا چاہئے۔ یہ فرمانا تھا کہ ساری مجلس پر ایک سکوت کا عالم طاری ہو گیا اور ہر شخص اپنی جگہ بیٹھا رہ گیا، پھر کسی کو بولنے کی ہمت ہی نہ ہوئی، بات سمجھ ہی میں نہ آئی کہ یکایک اس رعب چھا جانے کا سبب کیا ہوا دوسرے روز بعد نماز فجر جب سامنا ہوا اور ان کے مجددانہ رعب وجلال سے واسطہ پڑا تو یاد آیا کہ انہوں نے جو بدلنے کو فرمایا تھا تو وہ خدا کی قسم ایسے بدلے کہ کہیں سے کہیں پہنچ گئے اور ہم جہاں تھے وہیں رہے وہ دن ہے اور آج کا دن کہ ہمیں ان سے بات کرنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ بلکہ اس اہم تبدیلی پر ہم نے تنہائی میں بارہا غور بھی کیا تو بجز اس کے کوئی بات سمجھ ہی میں نہ آئی کہ

ان میں منجانب اللہ اس دن سے کوئی بڑی تبدیلی کر دی گئی ہے جس نے انہیں بہت اونچا کر دیا ہے اور ہم جس سطح پر پہلے تھے وہیں اب ہیں۔ ہاں جب دنیا انہیں مجدد المأۃ الحاضرہ کے نام سے پکارنے لگی تو سمجھ میں آیا کہ وہ تبدیلی یہ تھی جس نے ہمیں اتنے روز حیران ہی رکھا۔ یہ تھی وہ تاریخ جس میں انہیں موجودہ صدی کا مجدد بنایا گیا اور مجددیت کا منصب جلیل عطا ہوا اور ساتھ ہی ساتھ وہ رعب عطا ہوا جو اسی تاریخ سے محسوس ہونے لگا۔ باوجود کہ ہمیں بے تکلفی کے لیل ونہار اب تک یاد ہیں، مگر رعب حق برابر روز افزوں ہے جو ان کے مدارج کی مزید ترقی کی دلیل ہے۔ یہ چچا محمد شاہ خاں عرف تھن خاں صاحب اپنے شباب میں ایک برزگ علی خاں صاحب سے بیعت ہو گئے تھے، ان کا سالانہ عرس بھی کرتے تھے۔ جب انکا انتقال ہو گیا تو اعلیٰ حضرت قبلہ سے طالب ہو گئے، اعلیٰ حضرت قبلہ کا عہد طفلی پھر ان کا شباب اور اس کے بعد آغاز پیرانہ سالی یہ سب زمانے انہوں نے بچشم سر دیکھے تھے۔ لہذا ان کی عقیدت مندی بھی مریدین میں خاص امتیاز رکھتی تھی۔ ان کے انتقال کا اعلیٰ حضرت کو بڑا صدمہ ہوا۔

تیسرا باب
تبحر علمی

علوم نقلیہ میں تبحر

اعلیٰ حضرت قبلہ کا جب دور شروع ہوا تو معیار علم دین گھٹ چکا تھا، مگر علم کے طلب گار بہت بڑھ چکے تھے، اور علوم آلیہ (ریاضی، فلسفہ، اوقلیدس وغیرہ) کی طرف دوسرے لوگوں کا رجحان زیادہ تھا اور علماء اسلام ان علوم سے نا آشنا ہو چکے تھے۔ اسکولوں کالجوں میں ان علوم کی لازمی تعلیم تھی، عام طور پر یہ خیال ہو چکا تھا کہ اسلام ان علوم سے بے بہرہ ہے، ایسے وقت میں رب العزت نے اپنے ایک پاک بندے کو تمام علوم کا ماہر کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس کو مجدد کا منصب عطا فرمایا، دنیا کی زبان سے اس کو مجدد المأۃ الحاضرہ موئد الملۃ الطاہرۃ کہلوا دیا۔ اور اس کو مرجبہ اور غیر مرجبہ عالیہ اور آلیہ تمام علوم میں ایسی مہارت عطا کی کہ ان علوم کے بارے میں مسلمانوں کی نیچی نگاہیں بہت بلند ہو گئیں اور مسلمانوں کو موقع مل گیا کہ وہ دنیا کو چیلنج کریں کہ اسلام اور مسلمان کسی علم میں کسی سے کم نہیں رہے۔ اسلام میں اب بھی دنیا بھر کے علوم کے ذخائر موجود ہیں۔ لطف یہ ہے کہ تمام تر علوم کے ذخائر کا مرکز صرف ایک ہی شخص کی ذات ہے، دنیا جس کو مجدد المأۃ الحاضرۃ موئد الملۃ الطاہرۃ مولانا شیخ احمد رضا خاں کہتی ہے اور اعلیٰ حضرت کے لقب سے پکارتی ہے، اور ان کے تبحر کا موافقین تو موافقین مخالفین سے بھی خطبہ پڑھوایا گیا ہے، اس موقع پر میں اعلیٰ حضرت کے متعلق موافقین و مخالفین دونوں کے ایک ایک دو دو واقعات آپ کے

سامنے رکھونگا جس سے آپ کو بھی ان کے غیر معمولی تبحر علمی سے اس تائید غیبی کا یقین ہو جائے گا جو ہمیشہ ایسے بندگان خدا کی ہواہی کرتی ہے جن سے قدرت کوئی اہم کام لینا چاہتی ہے۔

مولانا سید حبیب اللہ صاحب دمشقی جنہوں نے دنیائے اسلام کی سیاحت کی تھی، ان کی عمر کا بڑا حصہ سیاحت ہی میں گزرا تھا۔ اورانہوں نے دوران سیاحت میں بریلی کے کئی سال پھیرے کئے، وہ خود بھی فرماتے تھے کہ اس شان کا جامع عالم میری نظر سے کہیں نہ گزرا۔ نحو، صرف، عربی ادب، فصاحت و بلاغت اور معانی۔ بدیع اور علم مناظرہ میں علمی دنیا اس وقت ان کی علمی قابلیت کا مشاہدہ کر چکی ہے۔ جب کہ مسئلہ تقلید پر مولوی طیب عرب مکی سے ان کا تحریری مناظرہ ہوا۔ مولوی طیب عرب مکی اس وقت مدرسہ عالیہ رام پور کے پرنسپل تھے اور مولانا عبدالحق خیرآبادی کے قابل ترین شاگردوں میں ان کا شمار تھا۔ وہ مکہ معظّمہ کے قدیمی باشندے تھے، وہیں پلے بڑھے جوان ہوئے اور تحصیل علم بھی وہیں کی، فلسفہ منطق اصول و کلام کا آخری درس حضرت مولانا خیرآبادی سے لیا، ابتدأ مسئلہ تقلید پر خود طیب صاحب نے اعلیٰ حضرت قبلہ کو عربی زبان میں ایک خط لکھا جس کے جواب میں اعلیٰ حضرت قبلہ نے اصل مسئلہ کا جواب دے دیا اوران کی عربی، ادبی۔ نحوی۔ صرفی غلطیاں گنائیں، اس پر طیب صاحب نے جواب الجواب لکھا، اب عرب صاحب کی تحریری غلطیوں کا دور شروع ہو گیا اور مسئلہ تقلید شخصی میں بھی اعلیٰ حضرت نے طیب صاحب سے چند مواخذات کیے، دونوں طرف سے یہ تحریری مناظرے رسائل میں چھپ کر اہل علم کی نذر ہوتے رہے۔ نحوی، صرفی ادبی غلطیوں کی کثرت نے مولوی طیب عرب کو آخر میں بالکل خاموش ہی کر دیا۔ انکار تقلید پر اعلیٰ حضرت قبلہ نے جو اعتراضات کیے تھے عرب صاحب ان کو ہاتھ بھی نہ لگا سکے، طیب صاحب کی اس شکست فاش سے اعلیٰ حضرت قبلہ کی ادبیت کا علماء کی جماعت میں سکہ بیٹھ گیا۔ ہندی عالم تو بیچارے ان ادبی فنون میں کس شمار و قطار میں ہیں۔ اس مناظرہ کا حال معلوم کرنا ہو تو ان کے رسائل اطائب الصیب علی ارض الطیب او غیرہ دیکھئے۔ اب رہا

حدیث وتفسیر، اصول حدیث، فقہ واصول فقہ، عقائد وکلام وغیرہ علوم دینیہ کا معاملہ تو آج اعلیٰ حضرت کی سینکڑوں کتابیں ان ہی علوم وفنون میں دنیا میں پھیل چکی ہیں۔ جن سے ان کے محدث مفسر اصولی متکلم وغیرہ ہونے کا معیار دنیا کو معلوم ہو چکا ہے۔ اور ان کے حاسدوں کی نگاہیں بار بار ان تصانیف پر پڑتی رہتی ہیں، ان تصانیف میں ان کے دشمنوں کو اگر حرف گیری کی ادنیٰ گنجائش بھی مل جاتی تو ان کے یہ تنگ نظر مخالف سارے ہندوستان کو سر پر اٹھا لیتے بلکہ اعلیٰ حضرت قبلہ نے جوانی ہی میں مخالفین کی گرفتیں کی ہیں اور ان کی ساری جماعت ان گرفتوں سے اب تک سبکدوش نہ ہو سکی، اور اس شان سے کہ ایک طرف ایک بندۂ خدا اعلیٰ حضرت تھے اور دوسری طرف مخالفین کا جم غفیر تھا۔ ساری خدائی ایک طرف اور فضل الٰہی ایک طرف'' کا برسوں لطف آتا رہا۔

اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے علمی شاہکار ایسے ہیں کہ ان کا بیان کرنا بھی مجھ جیسے شدبد کا کام نہیں، اس کے لئے ایک زبردست فاضل کی ضرورت ہے جو ان کے علمی نکات کا صحیح موازنہ کر سکے اور ان کی قوت استدلال کو سمجھ سکے۔ اسی غیر معمولی اور حیرت انگیز علمی قابلیت کے پیش نظر پہلے عرب سے ان کے مجدد ہونے کی آواز اٹھی اور پھر سارے ایشیا وافریقہ نے ان کی مجددیت کو مان لیا او ہر طرف اس کی تائید ہوئی، مخالفین بعض اپنے پیش روں کو ان کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں وہ اگر کچھ سمجھ رکھتے تو اپنی اس حرکت پر بے حد شرمندہ ہوتے۔ (اعلیٰ حضرت کی تصانیف میں یوں تو ہزار سے زیادہ تصانیف ہیں لیکن ایک فتاویٰ رضویہ لے لیجئے تو عالم اسلام اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتا۔ اس کا پورا نام العطایا النبویة فی الفتاویٰ الرضویہ ہے)

فتویٰ نویسی

العطایا النبویة فی الفتاویٰ الرضویہ اس فتاویٰ کی بڑے سائز پر بارہ جلدیں ہیں۔ ہر جلد بڑی ضخیم ہے، پہلی اور دوسری جلدیں! چھپ بھی گئی ہیں۔ اس شان کا مدلل

فتاویٰ دعویٰ سے کہا جا سکتا ہے کہ اردو زبان میں دوسرا موجود نہیں ہے۔ عربی کتب فتاویٰ کے مقابلے میں جو اس کی حیثیت ہے علماء جانیں، اتنا ضرور عرض کروں گا کہ فرداً فرداً اگر عربی زبان کے فتاویٰ سے مقابلہ کیا جائے تو مفتیٰ بہ مسائل میں یقیناً اس کو ترجیح ہوگی، اس واسطے کہ یہ ساری کتب مفتیٰ بہا کا عطر ہے، یہ ہماری شامت اعمال ہے کہ اب تک پورا نہ چھپ سکا، افسوس! اب میں اس کے اس مختصر خطبہ کی خصوصیت عرض کروں گا جس میں ان ننانوے کتابوں کے نام ہیں جن سے اس فتاویٰ میں اپنی جگہ سند لی گئی ہے اور ان ہی ناموں سے خدا کی حمد۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت اور خلفاء راشدین اور بعض اولیاء امت و فقہاء کرام کے مناقب ترتیب دیئے گئے ہیں۔ یہ خطبہ کا خطبہ ہے اور ان تمام کتب فتاویٰ کی فہرست ہے جن سے اس فتاویٰ میں استناد کیا گیا ہے۔ اس انوکھی شان کا خطبہ میری نظر سے اب تک نہ گزرا کہ کتابوں کے ناموں سے حمد ونعت ومناقب ترتیب دیئے گئے ہوں۔ حمد و نعت ومنقبت بھی ہوگئی اور ان کتب فقہ کی فہرست بھی مرتب ہوگئی جن سے فتاویٰ میں کام لیا ہے۔ اگر یہ تلاش کیا جائے تو یہ کمال غالباً آپ ہی اپنی مثال ثابت ہوگا۔ یہ ہے مجدد المأة الحاضرہ کی ایک شان۔

یہ بے مثال خطبہ ملاحظہ فرمائیں:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله هو الفقه الاكبر ،و الجامع الكبير ،لزيادات فيضه المبسوط، الدرر ،الغرر،به الهداية ،منه البداية ، واليه آلنهاية، بحمده الوقاية، و نقاية الدراية،و عين العناية،و حسن الكفاية،و الصلاة والسلام على الامام الاعظم للرسل الكرام مالكي و شافعي، احمد الكرام يقول الحسن بلا توقف محمد الحسن

لے اب تمام جلدیں چھپ چکی ہیں۔

ابو یوسف فانه الاصل، المحیط لکل فضل،بسیط و و جیز و وسیط المجد الذخار و الدار المختار و خزائن الاسرار،و تنویر الابصار،ورد المحتار علی منح الغفار و فتح القدیر وزاد الفقیر و ملتقی الابحر و مجمع الانهر و کنز الدقائق و تبیین الحقائق و البحر الرائق و منه یستمد کل نهر فائق، منه المنیة و به الغنیة و مراقی الفلاح و ا مد اد الفتاح و ایضاح الاصلاح و نور الایضاح و کشف المضمرات و حل المشکلات و الدر المنتقیٰ وینا بیع المبتغیٰ و تنویر البصائر و زوا هر الجواهر البدائع النوادر النزه وجوباعن الاشباه و النظائر و مغنی السائلین و نصاب المساکین الحاوی القدسی لکل کمال قدسی و انسی الکافی الوافی الشافی المصفیٰ المصطفیٰ المستصفیٰ المجتبیٰ المنتقیٰ الصافی عدة النوازل ،وانفع الرسائل لاسعاف السائل بعیون المسائل ،عمدة الاواخر و خلاصة الاوائل و علیٰ الہ و صحبہ و اهله و حزبه مصابیح الدجیٰ،مفاتیح الهدیٰ لا سیما الشیخین الصاحبین الاٰخذین من الشریعة و الحقیقة بکلا الطرفین والختنین الکریمین کل منهما نور العین و مجمع البحرین علیٰ مجتهدی ملته و ائمةامته خصوصاً الا رکان الاربعة و الانوار اللامعة و ابنه الا کرم الغوث الا عظم۔ذخیرة الاولیاء تحفة الفقهاء و جامع الفصولین فصول الحقائق الشرع المهذب بکل زین و علینا معهم و بهم و لهم یا ارحم الراحمین ۔امین ۔امین و الحمد لله رب العٰلمین۔

ادب وشاعری

شاعری ایسافن ہے کہ اکثر علمائے سلف نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہ کی ۔نہ علمائے حال میں اس سے کوئی خاص دلچسپی پائی جاتی ہے۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ کواس

طرف عشق سرکار رسالت نے کھینچا تو انہوں نے سرکار دو جہاں کی نعت پاک کے ایسے پیارے گیت گائے کہ سامعین کی دنیا تڑپ تڑپ گئی اور انہی گیتوں سے نعت گوئی کا ملک میں عام رواج ہو گیا۔ وہ گیت ایسے دلنشیں تھے کہ سننے والے جذبات محبت سے مست و سرشار ہو گئے اور ملک بھر کے مشاعروں میں معشوق کے خد و خال اور زلف و کمر کی تعریف کے بجائے عموماً نعت سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت پاک کے نغمے بلند ہونے لگے۔ اس حقیقت سے انکار کی کوئی معقول وجہ نہیں ملتی کہ جب سے اعلیٰ حضرت قبلہ اور ان کے بھائی مولانا حسن رضا خاں صاحب کا نعتیہ کلام ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلنے لگا ہے اس وقت سے ملک بھر میں مشاعروں کی دنیا بدل رہی ہے۔ اب تو اکثر مشاعروں سے نعت پاک کے نغمے بلند ہوتے اور عرش اعظم تک پہونچتے ہیں۔ شاعری میں بھی اعلیٰ حضرت قبلہ کی امتیازی شان الگ جھلک رہی ہے۔ اس میں بھی ان کے شاہکار موجود ہیں۔ جنہیں بڑے بڑے شعراء بھی شاہکار ہی سمجھتے ہیں۔ جیسے قصیدۂ معراج۔

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے

یہ وہ عالمگیر شہرت رکھنے والا قصیدہ ہے کہ جس پر ہندوستان کے بڑے بڑے شعراء نے تضمینیں لکھیں اور بہت کچھ طبع آزمائیاں کیں۔ جب یہ قصیدہ سوداگری محلّہ کی چہار دیواری سے باہر نکلا تو علی گڑھ کالج کے پروفیسروں نے بھی اس پر متعدد خمسے اور تضمینیں لکھیں اور کالج کے طلبہ نے بھی اسے مدتوں اپنا حسین نغمہ بنائے رکھا۔

یہ تو سب نے مان لیا کہ واقعۂ معراج شریف پر اردو زبان میں ایسی بلند پایۂ نظم دوسری نہ ہوئی۔ سلام بارگاہ سید الانام بہت پیش کئے گئے۔ شعراء سلف نے بھی خوب خوب سلام کہے ہیں اور اب تک کہے جا رہے ہیں۔ مگر بریلی کا ایک بندۂ خدا سرشار عشق مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر آتا ہے اور اپنے دل کی گہرائیوں سے دربار رسالت میں سلام پیش

کرتا ہے، عاشقان سرکار رسالت اس پر وجد کرنے لگتے ہیں اور دنیائے اسلام اس کو عرش قبول تک پہنچا دیتی ہے۔ عاشقان سرکار رسالت علیہ افضل الثناء و التحیۃ کو جب سلام عرض کرنا ہوتا ہے تو وہی سلام عرض کرتے ہیں جو اعلیٰ حضرت قبلہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا تھا۔ آپ نے بھی بارہا سنا ہوگا۔

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

ہندوستان میں اکثر بیشتر مجالس میلاد اور وعظ کے جلسوں میں یہ ہی سلام پڑھا جاتا ہے، اور پاکستان کی بکثرت مساجد میں بعد نماز جمعہ دو دو سو اور تین تین سو نمازی بیک آواز بطور وظیفہ اسے لازمی طور پر ہر جمعہ کو پڑھتے ہیں، وہاں ہر جلسہ اور ہر میلاد میں ضرور پڑھا جاتا ہے، اردو میں اس سلام جیسا چرچا آج تک کسی سلام کا نہ ہوا، اس سلام میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پورا سراپا ہے اور دربار الٰہی میں ان کے مناصب جلیلہ کا ذکر ہے، ویسے تو ان کے ہر شعر کی عاشقان سرکار رسالت نے بڑی قدر کی مگر اکثر غزلوں کا ایک دور بھی رہا۔ حسب ذیل قصیدہ کا بھی مدتوں چرچا رہا۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

مرزا غالب ہندوستان میں بانیان شعر وسخن میں سے ایک مانے گئے ہیں۔ انہیں دربار شاہی سے استاذ الشعراء دبیر الملک کا بھی خطاب مل چکا ہے۔ وہ ایک سنگلاخ زمین میں ایک مرصع غزل لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں، اردو شاعری کی دنیا میں چل پچ جاتی ہے۔ ان کے مخالف وموافق کو ماننا پڑتا ہے کہ جائے استاد خالی است۔

غزل ملاحظہ ہو:

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسہ کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

پرسش طرز دلبری کیجئے کیا کہ بن کہے
اس کے ہر اک اشارے سے نکلے ہے یہ ادا کہ یوں

رات کے وقت مے پئے ساتھ رقیب کو لیے
آئے وہ ہاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھئے
سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یوں

بزم میں اس کے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھئے
اس کی تو خامشی میں بھی ہے یہی مدعا کہ یوں

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہئے غیر سے تہی
سن کہ ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح
دیکھ کے میری بے خودی چلنے لگی ہوا کہ یوں

کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی
آئینہ دار بن گئی حیرت نقش پا کہ یوں

گر ترے دل میں ہو خیال وصل میں شوق کا زوال
موج محیط آپ میں مارے ہے دست و پا کہ یوں

جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کر ہو رشک فارسی

گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

استاد غالب کی معرکتہ الآرا نظم آپ نے دیکھی، اب اسی سنگلاخ زمین میں اعلیٰ حضرت قبلہ کے جذبات کی تڑپ دیکھئے:۔

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفٰے کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

قصر دنی کے راز میں عقلیں تو گم ہیں جیسے ہیں
روح قدس سے پوچھئے تم نے بھی کچھ سنا کہ یوں

میں نے کہا کہ جلوۂ اصل میں کس طرح گمین
صبح نے نور مہر میں مٹ کے دکھا دیا کہ یوں

ہائے رے ذوق بے خودی دل جو سنبھلنے سا لگا
جھک کے مہک میں پھول کی گرنے لگی ہوا کہ یوں

دل کو دے نور و داغ و عشق پھر میں فدا دو نیم کر
مانا ہے سن کے شق ماہ آنکھوں سے اب دکھا کہ یوں

دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور
اے میں فدا لگا کر ایک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں

باغ میں شکر وصل تھا ہجر میں ہائے ہائے گل
کام ہے ان کے ذکر سے خیر وہ یوں ہوا کہ یوں

جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے
لائے اسے پیش جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

ایک اور غزل اسی ردیف میں قافیہ کے ادنٰی فرق سے مرزا غالب نے لکھی ہے۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

اس کے مقابلے میں اعلیٰ حضرت قبلہ نے نعت شریف میں بھی غزل لکھ دی۔ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

میں نے اردو شاعری کے موجد استاد الشعراء مرزا غالب کے کلام کے ساتھ اعلیٰ حضرت قبلہ کے نغمات نعت اسی ردیف و قافیہ میں پیش کر دیئے ہیں ۔زمین دونوں کے لئے سنگلاخ تھی مگر اس غیر مانوس زمین کے ہوتے ہوئے نعت شریف کی سخت احتیاطیں موانع ہیں ۔ہر شعر موزوں و دلاویز، مضمون اچھوتا، زبان شیریں ہر بندش بڑی دلچسپ، شاعری کے تمام نقائص سے بالکل پاک وصاف، لطف یہ کہ ان تمام خوبیوں کا سکھانے والا کوئی نہیں ۔شاعری بھی منجملہ ان علوم کے ایک ہے جو قدرتی طور پر اعلیٰ حضرت قبلہ کو عطا ہوئے ۔یوں کہیے کہ انہیں نور مجسم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انتہائی قرب حاصل تھا ۔اس نور سے قریب تر ہونے کی وجہ سے اس نور کی شعاعیں جہاں تک پہونچ رہی تھیں ان شعاعوں میں مل جل کر ان کی نگاہ بھی وہاں تک پہونچ رہی تھی اور اپنا کام کر رہی تھی، یہ تو امر مسلم ہے کہ وہ نور ساری کائنات میں پھیلا ہوا ہے تو یہ ملی جلی نگاہیں اس نور کی روشنی میں اپنے جذبات کے ماتحت ان چیزوں کو بغور دیکھتی ہونگی جن چیزوں سے ناظر کو زیادہ لگاؤ رہا۔اور جب اعلیٰ حضرت قبلہ کو فطری لگاؤ

علم ہی سے تھا تو انہوں نے علوم ہی کا بالارادہ بغور مشاہدہ کیا ہوگا۔ وہ عینی مشاہدہ ہی ہر علم میں سبب کمال ہوا۔

اس حساب سے اعلیٰ حضرت قبلہ کے ان علمی کمالات کا اصل سبب قرب سرکار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہوا۔ آپ خود بھی اس کا تجربہ ان مروجہ ناقص روشنیوں کے قریب بیٹھ کر کر سکتے ہیں حالانکہ یہ روشنیاں نگاہ کو خیرہ کرتی ہیں۔ اور انوار سرکار رسالت تو آنکھوں کے نور اور دلوں کے سرور ہیں، تو جو نگاہ ان سے مل جل کر کام کرے گی وہ ساری کائنات پر پڑ یگی اور صاحب نظر جن چیزوں کے دیکھنے کا ارادہ کرے گا تو ان اشیاء کے نہ صرف ظاہر کو دیکھے گا بلکہ وہ ان کے باطن کو بھی دیکھ سکے گا اور اپنے شوق سے رویت کی حد تک دیکھ بھی لے گا۔ اس واسطے کہ اس نور کی جھلک ظاہر و باطن دونوں پر یکساں پڑ رہی ہے۔ اشیاء کی ظاہری سطح تک تو ان مروجہ ناقص روشنیوں کی رسائی ہے تو انوار سرکار رسالت کا کیا کہنا۔ اس روشنی سے دیکھنے والا اشیاء مرئیہ کا باطن بھی دیکھ لیتا ہوگا۔ اور یقیناً اس کی نظر حقائق اشیا تک پہونچتی ہوگی۔ اس لئے ان مرئیات میں اس کی نظر عام نگاہوں سے بہت آگے پڑتی ہوگی تو یہ معیار علم بھی اسی کو حاصل ہوسکتا ہے۔ یہاں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ہر علم میں دوسرے علمائے ظاہر سے فرق بھی اسی نوعیت کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ امر دیگر ہے کہ اتنے علوم وفنون شخص واحد میں اس صدی بھر میں کہیں جمع نہ پائے گئے، نہ سنے گئے، ان کے حیرت انگیز علمی کمالات کو دیکھتے ہوئے مدتوں سے میرا یہ ہی خیال ہے کہ جتنا قرب اتنا علم۔

تاریخ گوئی

فن تاریخ گوئی سے بعض جگہ خاص پیدائش اور خاص وفات ہی کے موقع پر کام لیا جاتا تھا۔ یہ فن بھی دنیا سے اٹھ چلا تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے اس کی طرف توجہ کی تو کم وبیش چھ سو کتب و رسائل کے نام تاریخی لکھ ڈالے۔ اور سینکڑوں اشتہاروں کے عنوان بھی تاریخی

لکھ دیئے۔ خوبی یہ کہ کتاب، رسالے، اشتہار کے مضمون کا اظہار بھی اس نام یا عنوان سے ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی صاحب نے اپنے نوزائیدہ بچے کے نام رکھنے کی درخواست کی تو فوراً آپ نے ان کے خاندانی ناموں سے ملتا جلتا نام بتایا جو بعد میں جا نچا تو تاریخی نکلا۔

چنانچہ مولانا ظفر الدین صاحب کے صاحبزادے کا نام بھی تاریخی نکلا جو ڈاک آنے پر غالباً خود ملک العلما نے خط پڑھ کر یہ خوشخبری اعلیٰ حضرت کو سنائی۔ اس وقت جو نام زبان پر آیا وہ جانچا تو تاریخی نکلا۔ یورپ کے مشہور سائنسداں نیوٹن نے حرکت زمین پر ایک کتاب لکھی، آپ نے اس کا رد کیا اور نیوٹن ہی کے مسلمات سے اس کا تاریخی نام "فوز مبین دررد حرکت زمین" رکھا جس کی ضخامت دس بارہ جز کی ہے (اس کا نام بھی تاریخی ہے ۱۳۳۸)

سید ایوب علی صاحب بریلوی بیان کرتے ہیں: اعلیٰ حضرت قبلہ کے پاس ہر جمعہ کے بعد ایک بڑا مجمع ہوتا تھا، جس میں لوگ مسائل دریافت کرتے اور اوراد و وظائف پوچھتے۔ ایک بار ایک صاحب نے سوال کیا، اسم اعظم میرے لئے کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کے لیے اسم اعظم جدا ہے۔ اس کے بعد ہی ایک جانب سے نظر مبارک حاضرین پر ڈالی اور ہر ایک سے بلا تکلف فرمایا کہ تمہارے لئے اسم اعظم یہ ہے۔ دوسرے کو فرمایا تمہارے لئے اسم اعظم یہ ہے۔ چنانچہ مجھے حکم دیا کہ آپ یا لطیف یا اللہ پڑھ لیا کریں۔ اس کے بعد اسم اعظم معلوم کرنے کا قاعدہ بیان فرمادیا تا کہ اپنے لئے یا کسی کے لئے کسی کو اسم اعظم معلوم کرنے کی کوئی دقت نہ ہو۔ فرمایا کہ جن صاحب کے نام میں جو حروف ہیں ان حروف کے بقاعدۂ ابجد جو مجموعی اعداد ہیں اس کے ہم عدد اسماء الٰہیہ میں سے ایک اسم ورنہ دو اسم دوگنی مرتبہ ہر روز پڑھا کریں۔ یہ ان کے لئے مفید ہے۔ مثلاً ایوب علی کے اعداد ۱۲۹ اور لطیف کے بھی ۱۲۹۔ سید ایوب علی صاحب فرماتے ہیں کہ اس روز سے فقیر ۲۵۸ بار یا لطیف بلا ناغہ پڑھ لیتا ہے۔ اس

سلسلے میں آپ کو حیاتِ اعلیٰ حضرت میں بعض اہم واقعات ملیں گے۔

علوم عقلیہ میں تبحر ڈاکٹر ضیاء الدین کی آمد

مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں جہاں نئے نئے فنون ایجاد کئے اور پرانے علوم میں موشگافیاں کیں انہوں نے تمام فرسودہ علوم کو بڑا عروج دیا۔ ریاضی میں بھی چار چاند لگا دیئے تھے۔ پھر تین یونیورسیٹاں کھولیں: بغداد یونیورسٹی عراق عرب میں، قرطبہ اسپین میں، جامعہ از ہر مصر میں، اور ان تمام علوم کے دروازے ساری اقوام عالم پر کھول دیئے۔ ان یونیورسیٹیوں میں بقول پروفیسر وامبری ساکن آسٹریا ہنگری ساتویں آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی تین بڑی یونیورسیٹیاں سرگرم عمل تھیں۔ اور بلاامتیاز مذہب و ملت ان میں تعلیم پانے کی سب کو اجازت تھی۔ ان یونیورسیٹیوں میں یورپ کے طلباء نے تعلیم حاصل کی اور اپنے ملکوں کو تعلیم یافتہ اور مہذب بنایا۔ اس کے بعد مسلمانوں کا جب زوال شروع ہوا تو پہلے ان میں علم کی کساد بازاری شروع ہوئی۔ تو انہوں نے ترقی کا میدان اپنے شاگردوں یعنی یورپ کے عیسائیوں کے لئے خالی کر دیا۔ وہ مسلمانوں کی شاگردی میں تمام علوم وفنون سے واقف ہو ہی ہو چکے تھے۔ اب انہوں مسلمانوں کی کتابوں کے ذخیرے ان کی جاہل اولادوں سے خریدنا شروع کئے۔ ان کے مطالعہ سے اہل یورپ کی قابلیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اور بعض عملی علوم میں قوت عمل سے حسب ضرورت انہوں نے اضافہ کرلیا۔ جو آج انہیں آسمان پر سب سے اونچا اڑا رہی ہے اور بحر وبر میں سب سے تیز دوڑا رہی ہے۔ اور بموں کے دھماکوں سے دنیا کو دہلا رہی ہے۔ مسلمان ان سے بے بہرہ ہوتا چلا گیا۔ اور یورپ کا عیسائی ترقی پر چڑھتا چلا گیا۔ اب سے کچھ دنوں پہلے تک یہی ہوتا رہا ہے کہ مسلمان اپنے بزرگوں کی عرق ریزیوں کو چند سنہرے سکوں میں بیچ کر گزارہ کرتا رہا اور یورپ کا عیسائی اسی علمی سرمایہ سے دنیا پہ چھاتا

چلا گیا۔ آج بھی یورپ کے کتب خانے ہمارے اسلاف کرام کی تصنیفات سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ وہی علوم تو ہیں جو مسلمانوں نے دنیا میں عام کر دیئے تھے۔ انہیں علوم کو سیکھنے کے لئے مسلمانوں کو یورپ و امریکہ کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ افسوس۔

ریاضی میں بھی یورپ نے بہت کچھ ترقی کر لی ہے یہاں تک کہ ایشیائی طلبہ کو اب وہیں جا کر یہ علوم حاصل کرنا پڑتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے بھی یورپ ہی میں ریاضی کی تکمیل کی۔ وہاں سے ڈاکٹر کی امتیازی ڈگری لے کر ہندوستان آئے اور یہاں اس فن میں یگانۂ روزگار مان لئے گئے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کی ریاضی میں جب ان تک شہرت پہونچی تو انہیں یقین نہ ہوا، وہ یہ ہی کہتے رہے کہ علمائے اسلام ریاضی کیا جانیں یہاں تک کہ جب وہ بعض مسائل ریاضی میں الجھے تو انہوں نے رفع شکوک کے لئے یورپ جانے کا ارادہ کر لیا۔ برسبیل تذکرہ انہوں نے اپنے دوست مولوی حشمت اللہ صاحب رضوی بریلوی مرحوم جنٹ مجسٹریٹ سے اپنے سفر یورپ کا ارادہ ظاہر کیا اور غرض بتائی کہ بعض مسائل ریاضی میں مجھے علماء یورپ سے تبادلۂ خیال کرنا ہے۔ مولوی حشمت اللہ مرحوم نے انہیں یقین دلایا کہ اس کام کے لئے اب آپ کو اس طویل سفر کی اصلاً ضرورت نہیں۔ آپ کو مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے ملنا اور تبادلۂ خیال کرنا چاہئے۔ یہی بات ان سے مولانا سید سلیمان اشرف صاحب ناظم دینیات علی گڑھ یونیورسیٹی نے کہی، تو انہوں نے عنان سفر بجائے یورپ کے بریلی کی طرف پھیر دی اور ڈاکٹر صاحب اعلیٰ حضرت قبلہ کے پیرزادے سید مہدی حسن میاں صاحب قبلہ مارہروی کو لے کر بریلی آئے اور مولوی حشمت اللہ صاحب کی کوٹھی میں ٹھہرے۔ ان کی کوٹھی کے پیچھے ہی کوٹھی سے متعلقہ مکان میں اعلیٰحضرت کا قیام تھا۔ مولوی حشمت اللہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی اطلاع کرائی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے طلب فرما لیا۔ رسمی تعارف کے بعد موصوف نے اپنی گفتگو کیلئے کوئی وقت چاہا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے حسب عادت فرمایا کہ جو آپ کو فرمانا

ہے بے تکلف فرمایئے۔ بالآخر انہیں اسی وقت فن پر ریاضی کے وہ شکوک پیش کرنے پڑے جن کی تحقیق کے لیے ان کا سفر یورپ کا ارادہ تھا۔ اعلیحضرت نے ان کے سوالات یکے بعد دیگرے بلا تامل حل فرمائے ڈاکٹر صاحب ہکا بکا رہ گئے۔ کچھ سکون کے بعد ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کہ اس فن میں آپ نے بھی کوئی کتاب لکھی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ چار رسالے میں نے بھی لکھے ہیں ۔ڈاکٹر صاحب نے دریافت فرمایا کہ کس زبان میں ہیں۔ ارشاد فرمایا عربی اور فارسی میں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں ان دونوں زبانوں سے نابلد ہوں، حضور اگر اجازت دیں تو میں ان رسالوں کا اپنے لیے اردو میں ترجمہ کرالوں، اعلیٰ حضرت نے بڑی خندہ پیشانی سے اجازت مرحمت فرمادی، وہ علی گڑھ تشریف لے گئے اور وہاں ناظم دینیات مولانا سید سلیمان اشرف صاحب سے انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ایک مستعد عالم جو ریاضی میں دخل رکھتے ہوں چند رسائل کا ترجمہ کرنے کے لئے معقول تنخواہ پر بریلی بھیج دیجئے۔ چنانچہ حضرت ناظم دینیات نے مولوی شرافت اللہ خاں صاحب کو اس کام پر مامور کر کے بریلی بھیجا۔ وہ بریلی آئے، چاروں رسالوں کا ترجمہ کیا، ترجمہ اعلیٰ حضرت قبلہ کو سنایا پھر یہیں سے مبیضہ کر کے علی گڑھ لے گئے اور ڈاکٹر صاحب کو جا کر دیدیئے، اب یہ تراجم یونیورسٹی کی لائبریری میں ہوں گے، یا ڈاکٹر صاحب کے ذاتی کتب خانے میں ہوں گے۔ اس کے بعد ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب نے کئی جگہ اس کا اعتراف بھی کیا کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی ریاضی میں اپنا جواب نہیں رکھتے''

سہارنپور میں ڈاکٹر صاحب کو چائے کی دعوت دی گئی۔ اس میں سپاسنامہ پڑھا گیا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب ریاضی میں یگانہ روزگار ہیں۔ انہوں نے جوابی تقریر میں کہا کہ ان الفاظ کے مستحق مولانا احمد رضا خاں بریلوی ہیں۔ وہ واقعی اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ایسا ہی انہوں نے قنوج میں ایک موقع پر کہا ہے۔ یہ دونوں واقعے مجھ سے حامد علی خاں صاحب سابق مال بابو ریلوے نے ذکر کیے وہ دونوں موقعوں پر موجود تھے۔

پروفیسر حاکم علی کی آمد

لاہور کالج کے پروفیسر حاکم علی صاحب نے جب یہ سنا کہ علیٰ حضرت قبلہ سائنس بھی خوب جانتے ہیں۔ وہ اس وقت لاہور کالج کے پروفیسر اور سائنس کے بعض مسائل میں الجھے ہوئے تھے۔ وہ انہی مسائل میں تبادلہ خیال کے لئے چھٹی لے کر بریلی آئے اور ان مسائل کے متعلق روزانہ وہ کسی سائنس کے مسئلہ پر تبادلہ خیال کرتے تھے۔ تقریباً ایک مہینے تک تبادلۂ خیال کیا۔ واپسی کے وقت اپنے اس سفر کی کامیابی پر بہت خوش تھے۔ اس مدت میں وہ اعلیٰ حضرت کے مہمان بھی رہے۔

ملک مغرب کے مروجہ علوم میں جبر و مقابلہ۔ ہیأت۔ اقلیدس۔ حساب۔ فلسفہ جدیدہ۔ سائنس وغیرہ علوم میں بھی اعلیٰ حضرت قبلہ نے نہ صرف علماء اسلام میں بلکہ مغربی علوم کے بعض ان ماہرین کی نگاہوں میں جو اس وقت یگانۂ روزگار مانے جاتے تھے امتیاز خاص حاصل کیا ہے۔

یہ علوم پہلے بھی عربی میں پڑھائے جاتے تھے۔ مگر ان علوم کے عملی حصہ سے ہمارے یہاں کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ اعلیٰ حضرت نے ان فنون کی طرف توجہ کی تو اس کی تمام شاخوں کو عملی جامہ پہنا کر ان فنون کو مکمل کر دیا۔ مثلاً علم توقیت بھی ریاضی ہی کی پیداوار ہے۔ ان ہی کی بدولت اس قدر مکمل ہو گیا ہے کہ آج ان کے وصال کو کافی زمانہ گزر چکا ہے مگر روزہ نماز کے صحیح اور قابل اطمینان اوقات سال مولانا ظفر الدین صاحب کی کتاب ''موذن الاوقات'' نے اوقات صوم وصلوۃ کی طرف سے صدیوں کو مطمئن کر دیا ہے۔ اب گھر بیٹھے اسی موذن الاوقات سے جس کا جی چاہتا ہے نقشہ صوم وصلوۃ مرتب کر کے چھاپ دیتا ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کی جنتری کی اشاعت سے قبل کسی صاحب کو ہمت نہ ہوئی کہ اوقات صوم وصلوۃ کا ایسا قابل اطمینان نظم کر دے۔ یہ ہندی مسلمانوں پر اعلیٰ حضرت کا وہ عظیم احسان

ہے کہ صوم وصلوۃ کا پابندی شاید ہی کوئی اس سے بچ سکے ورنہ یہ سلسلہ تو خدا چاہے ہمیشہ چلتا ہی رہے گا۔ ایسی حالت میں اعلیٰ حضرت کی بدگوئی کرنا یا بلا وجہ ان سے عداوت رکھنا محسن کشی نہیں تو اور کیا ہے۔ محسن کشی بدترین اخلاقی جرم ہے۔ اور اس کے مقابلے میں احسان مندی بہترین اسلامی خصلت ہے جو علامت شرافت ہے۔ الانسان عبید الاحسان ہر انسان کی زبان پر ہے، ذلك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔ خیر بات کہاں سے کہاں پہنچی۔

پروفیسر البرٹ ایف پورٹا پر تنقید

ایک مرتبہ امریکن پروفیسر البرٹ نے ایک ہولناک پیش گوئی کی تھی جو انگریزی اخبارات میں چھپی، اخباروں نے اسے یہ لکھ کر کہ اس نجومی نے جو پیش گوئیاں کی ہیں وہ اب تک سو فی صد پوری ہوتی رہی ہیں، اور زیادہ ہیبت ناک کر دیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے پاس باہر سے خطوط آئے، شہر میں لوگوں نے آ آ کر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو اس کی طرف توجہ دلائی۔ مگر وہ پیش گوئی کوئی صاحب نہ لائے۔ یہ سعادت حضرت مولانا ظفر الدین صاحب کی قسمت میں تھی۔ وہ چونکہ اعلیٰ حضرت قبلہ کی عادت کریمہ سے واقف تھے، انہوں نے اپنے وطن پٹنہ سے اپنے عریضہ کے ساتھ انگریزی اخبار کا ایک کالم جس میں یہ پیشگوئی درج تھی کاٹ کر بھیج دیا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ محض افواہِ رجال پر اپنی تحقیقات کی بنیاد نہیں رکھتے۔ جب تک کہ ان کے سامنے کوئی سند نہ ہو۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ سوال مکمل پیش ہونے کے بعد اعلیٰ حضرت قبلہ کے یہاں جواب کے لئے کوئی حالت منتظرہ نہیں رہتی، وہ دیکھ چکے تھے کہ ہر علم وفن کے رموز ونکات اعلیٰ حضرت قبلہ کے نوک زباں پر ہیں۔ وہ اس پیش گوئی کی پوری حقیقت کا انکشاف فرمادیں گے۔

اعلیٰ حضرت قبلہ نے دو طرح، اس پیش گوئی کا ابطال کیا۔ پہلے شرعی دلائل سے،

اور پھر فنی اصول سے۔ مولانا ظفرالدین صاحب کو جو جواب مرحمت فرمایا ہے وہ حیات اعلیٰ حضرت سے نقل کرتا ہوں۔ اپنے اعمال کے سبب اپنے رب سے ڈرو اور ، ۱۷ ردسمبر کی بے اصل و بیہودہ پیش گوئی کا خوف نہ کرو۔ دارالافتاء میں مولانا ظفرالدین صاحب نے بانکی پور کے انگریزی اخبار ایکپریس کے دوسرے ورق کا صرف پہلا کالم تراش کر بغرض ملاحظہ و استصواب حاضر کیا جس میں امریکہ کے منجم پروفیسر البرٹ کی ہولناک پیش گوئی ہے۔ جناب نواب وزیر احمد خاں صاحب و جناب سید اشتیاق علی خاں صاحب رضوی نے ترجمہ کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

۱۷ ردسمبر کو عطارد، مریخ، زہرہ، مشتری، زحل، نیچون یہ چھ سیارے جن کی طاقت سب سے زائد ہے قران میں ہوں گے۔ اور آفتاب ایک طرف، ۲۶ درجے کے تنگ فاصلے میں جمع ہو کر اسے بقوت کھینچیں گے اور وہ ان کے ٹھیک مقابلہ میں ہوگا اور مقابلہ میں آتا جائے گا۔ ایک بڑا کوکب یورینس بھی ہوگا۔ سیاروں کا ایسا اجتماع تاریخ ہیئت میں نہ جانا گیا ۔ یورینس اور ان چھ میں مقناطیسی لہر آفتاب میں بڑے بھالے کی طرح سوراخ کریگی۔ ان چھ بڑے سیاروں کے اجتماع سے جو بیس صدیوں سے نہ دیکھا گیا تھا ممالک متحدہ دسمبر میں بڑے خوفناک طوفان آب سے صاف کر دیا جائے گا۔ یہ داغ ۱۷ ردسمبر کو دیکھا جائے گا، جو بے آلات آنکھ سے دیکھا جائے گا۔ جب سے انسانی تاریخ جاری ہوئی ہے نہ ہوا ہوگا۔ اور وسیع زخم آفتاب کے ایک جانب میں ہوگا۔ یہ داغ شمس کرۂ ہوا میں تزلزل ڈالے گا، طوفان بجلیاں اور مینھ اور بڑے زلزلے ہوں گے، زمین ہفتوں میں اعتدال پر آئے گی۔

الجواب :۔

یہ سب اوہام باطلہ و ہوسات عاطلہ ہیں۔ مسلمانوں کو ان کی طرف اصلاً التفات جائز نہیں۔

(۱) منجم کہ ان کی بنا کواکب کے طول وسطی پر رکھی ہے۔ جسے ہیئات جدیدہ میں طول بفرض

مرکزیت شمس کہتے ہیں۔اس میں وہ چھ کواکب باہم ۲۶ درجے ۶ دقیقے کے فصل میں ہوں گے۔مگر یہ فرض باطل قرآن کریم کے ارشاد سے مردود ہے۔نہ شمس مرکز ہے نہ کواکب اس کے گرد متحرک، بلکہ زمین کا مرکز ثقل مرکز عالم اور سب کواکب اور خود شمس اس کے گرد دائر۔اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

(۱) والشمس والقمر بحسبان

سورج اور چاند کی چال حساب سے ہے

(۲) والشمس تجری لمستقر لها ذلك تقدير العزيز العليم

سورج چلتا ہے ایک ٹھہراؤ کے لئے پھر سادھا ہوا زبردست علم والے کا ہے۔

اور فرماتا ہے۔

(۳) کل فی فلك يسبحون۔

چاند اور سورج سب ایک گھیرے میں پھر رہے ہیں۔

اور فرماتا ہے۔

(۴) وسخرلکم الشمس و القمر دائبين

تمہارے لئے چاند سورج مسخر کیے کہ دونوں باقاعدہ چل رہے ہیں۔

اور سورۂ رعد میں فرماتا ہے۔

(۵) و سخر الشمس و القمر کل یجری لاجل مّسمی

اللہ نے مسخر فرمائے چاند سورج ہر ایک ٹھیرائے وقت تک چل رہا ہے۔

بعینہ اسی طرح سورہ لقمان، سورہ ملائکہ، سورہ زمر میں فرمایا۔اس پر جو جاہلانہ اختراع پیش کرے اس کے جواب کو آیہ کریمہ تمہیں تعلیم کردی۔

الا یعلم من خلق و هو اللطيف الخبير۔کیا وہ نہ جانے جس

نے بنایا اور وہی ہے پاک خبردار۔ تو پیش گوئی سرے سے مبنی بر باطل۔

یہ جسے طول بغرض مرکزیت شمس کہتے ہیں۔ حقیقۃ کواکب کے اوساط معدلہ بہ تعدیل اول ہیں جیسا کہ واقف علم زیجات پر ظاہر ہے۔ اور اوساط کواکب کے حقیقی مقامات نہیں ہوتے بلکہ فرضی اور اعتبار حقیقی کا ہے،

۱۷ دسمبر کو کواکب کے حقیقی مقامات یہ ہوں گے۔

تقویم

کوکب	برج	درجہ	دقیقہ
پنچون	اسد	۱۱	۱۵
مشتری	•	۱۷	۵۴
زحل	سنبلہ	۱۱	۳۹
مریخ	میزان	۹	۱۰
زہرہ	عقرب	۹	۱۹
عطارد	قوس	۳	۳۰
شمس	//	۲۴	۳۰
یورینس	دلو	۲۸	۲۶

ظاہر ہے کہ ان چھ کا باہمی فاصلہ نہ ۲۶ درجے میں محدود بلکہ ۱۱۳ اور ۱۱۲ درجے تک محدود، یہ تقویم اس دن تمام ہندوستان میں ریلوے وقت سے ساڑھے پانچ بجے شام اور نیویارک ممالک متحدہ امریکہ میں ۷ بجے صبح اور لندن میں دوپہر کے ۱۲ بجے ہوں گے ، یہ فاصلہ ان کی تقویمات کا ہے۔ باہمی بعد اس سے قلیل مختلف ہوگا۔ کہ عرض کی قوسیں چھوٹی ہیں، اس کے استخراج کی حاجت نہیں کہ کہاں ۲۶ اور کہاں ۱۱۲۔

یہاں تک ساری بحث اسلامی اصول پر تھی۔جس میں استدال کا بڑا حصہ قرآن پاک ہی تھا۔اس وقت مخالفین میں سے کسی صاحب کو ہمت نہ ہوئی کہ پروفیسر البرٹ امریکن کی اس پیش گوئی مذکورہ بالا آیات قرانی سے رد کردے تاکہ مسلمانوں کے عقائد میں تزلزل اور دلوں میں اضطراب نہ بڑھے۔کیا انہوں نے قرآن کی یہ آیتیں نہ پڑھی تھیں،یا اسکا ترجمہ نہ کر سکتے تھے،یہ سب کچھ کر سکتے تھے۔حالانکہ علم ہیئت کی درسی کتابیں بھی پڑھی ہونگی۔یہ کہیئے کہ اپنے علم پر خود اعتماد نہ تھا،خوف تھا کہ جواب

الجواب اگر ہوا تو کیسے پیش جائے گی۔یہ بھی یاد نہ رہا کہ سرکار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الساکت عن الحق شیطان اخرس

حق بات کہنے سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔

یا یہ کہ ایک طرف یہ خوف تھا کہ بحث آگے بڑھی تو لاعلمی کی وجہ سے ذلت کا منھ دیکھنا پڑیگا اور دوسری طرف گونگا شیطان بننے کا اندیشہ تھا۔تو انہوں نے آنے والی ذلت و رسوائی کے خوف سے شیطان بننا آسان سمجھا۔اس واسطے کہ یہ ذلت ہاتھ کے ہاتھ ہوتی اور قیامت کس نے دیکھی ہے۔جہاں خاموشی کی پاداش بھگتیں گے۔ایسے آڑے وقت ہندوستان بھر سے صرف ایک آواز اٹھی اور اس شان سے اٹھی کہ اس نے پہلے آیات قرآنی سے مسلمانوں کے عقائد کا تحفظ کیا اور پھر فنی استدلال سے ملک بھر کے عام اضطرب کا خاتمہ کر دیا۔مجدد کی یہ شان ہونی چاہئے اور پھر اس ردکو اردو اور انگریزی اخبارات میں شائع کرا دیا کہ شاید پروفیسر البرٹ صاحب اور بد مذہبوں کی طرح اپنی بات کی پچ کریں۔اور کچھ بحث بڑھے تو ان کی بھی آگے چل کر وہی درگت بنے جو ان بدمذہبوں کی بن چکی۔اس مضمون کے جواب میں ہندوستان یا امریکہ سے صدائے برنخواست کا مضمون رہا۔اس واسطے کہ اصولی طور پر اس میں کوئی گنجائش نہ رہی تھی۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں۔یہ کلام اسلامی اصول پر تھا۔

اب کچھ عقلی حرف زنی بھی لیجئے۔ یہ کہنا کہ دو ہزار برس سے ایسا اجتماع نہ دیکھا گیا بلکہ جب سے کواکب کی تاریخ شروع ہوئی ہے نہ جانا گیا، محض جزاف ہے۔

مدعی اس پر دلیل رکھتا ہے تو پیش کرے، ورنہ روز اول کواکب در کنار دو ہزار برس کے تمام زیجات بالاستیعاب اس نے مطالعہ کیے اور ایسا اجتماع نہ پایا، یہ بھی یقیناً نہیں، تو دعویٰ بے دلیل باطل و ذلیل۔ یورنیس اور نیچوں تو اب ظاہر ہوئے، اگلی زیجات میں ان کا پتہ کہاں، مگر یہ کہ اوساط موجود ہیں بطریق تفریق ان کے ہزاروں برس کے اوساط نکالے ہوں اور دعویٰ محض ادعاء۔

کیا سب کواکب نے آپس میں صلح کر کے آزاد آفتاب پر ایکا کر لیا ہے، یہ تو محض باطل ہے، بلکہ مسئلہ جاذبیت اگر صحیح ہے تو اس کا اثر سب پر ہے، قریب تر پر قوی تر، اور ضعیف تر، پر شدید تر اور ۱۷ دسمبر کو اوساط کواکب کا نقشہ یہ ہے۔

کوکب	وسط	
	درجہ	دقیقہ
مشتری	۱۲۹	۳۰
نیپچوں	۱۲۹	۵۳
زہرہ	۱۴۲	۴۲
عطارد	۱۵۳	۵۰
مریخ	۱۵۴	۱۷
زحل	۱۵۵	۴۳
یورنیس	۳۳۰	۵۷

(۴) اور ظاہر ہے کہ آفتاب ان سے ہزاروں درجے بڑا ہے، جب اتنے پر چھ کی

کھینچ تان اس کا منہ زخمی کرنے میں کامیاب ہوگی تو زحل کہ اس سے نہایت صغیر وحقیر ہے اور پانچ کی کشاکش اور ادھر سے یورنیس کی مارامار یقیناً اس کو فنا کر دینے کو کافی ہوگی اور اس اعتبار سے ان کا فاصلہ بھی اور تنگ، صرف ۲۵ درجے۔

(۵) مریخ زحل سے بہت چھوٹا ہے اور اس کے لحاظ سے فاصلہ اور بھی کم، فقط ساڑھے ۲۴ درجے، تو یہ چار ہی مل کر اسے پاش پاش کر دیں گے۔

(۶) عطارد سب میں چھوٹا اور اس کے حساب سے باقی ۱۳ ہی درجے کے فاصلے میں ہیں، تو فاصلہ ۲۶ کا آدھا ہے تو یہ تین عظیم ہاتھی مع یورنیس اس چھوٹی سی چڑیا کے ریزہ کر دینے کو بہت ہیں۔ منجم نے اسی مضمون میں کہا ہے کہ دو سیارے ملے ہوئے کافی ہیں، ایک چھوٹا داغ شمس میں پیدا کرنے اور ایک چھوٹا طوفان برپا کرنے میں، اور تین ان میں سے بڑا طوفان اور بڑا داغ، جب آفتاب میں تین اور چار کا یہ عمل ہے تو بیچارے عطارد و مریخ چار اور پانچ کے آگے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

اور زحل پر اکٹھے چھ جمع ہیں، تو جو نسبت ان کو آفتاب سے ہے اس نسبت سے ان پر اثر نہ زیادہ ہونا لازم۔ واجب تھا کہ یہ کھینچنے والوں سے چمٹ جائیں، لیکن ان میں نافریت بھی رکھی ہے وہ انہیں تمرد پر لائے جس کا صاف نتیجہ ریزہ ہو کر جواذب میں گم ہو جاتا۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ کمزور چیز نہایت قوی قوت سے کھینچی جائے گی اگر دوسری طرف اس کا تعلق ضعیف ہے کھچ آئے گی، ورنہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ یہ سب اگر نہ ہوگا تو کیوں، حالانکہ آفتاب پر اثر ضرب شا۔یدکا مقتضی یہ ہی ہے اور ہوگا تو غنیمت ہے کہ آفتاب کی جان چھوٹی، وہ آپس میں کٹ مر کر فنا ہوں گے، نہ آفتاب کے اس طرف چھد رہیں گے، نہ اس کے زخم آئے گا۔

بالجملہ پیش گوئی محض باطل و پادر ہوا ہے۔ غیب کا علم اللہ عزوجل کو ہے پھر اس کی عطا سے اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو۔ اللہ تعالیٰ اپنی خلق میں جب جو چاہے کر

ے۔ اگر اتفاقاً بمشیت الٰہی معاذ اللہ ان میں سے بعض، یا فرض کیجئے کہ سب باتیں واقع ہو جائیں جب بھی پیش گوئی یقیناً جھوٹی ہے کہ وہ جن اوضاع کواکب پر مبنی وہ اوضاع فرضی ہیں، اور اگر بفرض غلط واقعی بھی ہوتے تو جن اصول پر مبنی ہیں وہ اصول محض بے اصل من گڑھت ہیں۔ جن کا مہمل و بے اثر ہونا خود اسی اجتماع نے روشن کر دیا، اگر جاذبیت صحیح ہے تو یہ اجتماع نہ ہونا چاہئے، اور اگر اجتماع قائم ہے تو جاذبیت کا اثر غلط ہے، بہر حال پیش گوئی باطل ۔واللہ یقول الحق و یہدی السبیل

جاذبیت پر ایک سہل سوال اوج حضیض شمس سے ہوتا ہے جس کا ہر سال مشاہدہ نقطہ اوج پر کہ اس کا وقت سوم جولائی ہے۔ آفتاب زمین سے غایت بعد پر ہوتا ہے اور نقطہ حضیض پر کہ تقریباً سوم جنوری ہے غایت قرب پر۔ یہ تفاوت اکتیس لاکھ میل سے زائد ہے کہ تفتیش جدید میں بعد اوسط نو کروڑ اونتیس لاکھ میل بتایا گیا ہے، اور ہم نے حساب کیا مابین المرکزین دو درجے پینتالیس ثانیے، یعنی ۲۱۰۵۲۱۲ ہے، تو بعد ابعد ۹۴۴۵۸۰۲۶ ہوا۔ اور بعد اقرب ۹۷۴، ۴۱، ۱۳، ۹ میل تفاوت ۵۲۔ ۳۱۱۶ میل، اگر زمین آفتاب کے گرد اپنے مدار بیضی پر گھومتی ہے جس کے فوکز اسفل میں آفتاب ہے جیسا کہ ہیأت جدیدہ کا زعم ہے، تو اول نافریت ارض کو جاذبیت شمس سے کیا نسبت کہ آفتاب حسب بیان اصول علم الہیاۃ جدیدہ میں ۱۳۰، ۴۵، ۱۲ لاکھ پینتالیس ہزار ایک سوتیس زمینوں کے برابر ہے، اور ہم نے بر بنائے مقررت تازہ[1] اصل کردی پر حساب کیا تو اس سے بھی زائد آیا۔ یعنی تیرہ لاکھ تیرہ ہزار دو سو

---

[1] وہ مقررات تازہ یہ ہیں۔ قطر مدار شمس اٹھارہ کروڑ اٹھاون لاکھ میل قطر معدل زمین ۰۸۶، ۷۹۱۳ میل قطر اوسط شمس دقائق محیط سے بتیس ۳۲ دقیقے چار ثانیے۔ بس اسی قاعدے پر کہ ہم نے ایجاد اور اپنے فتاویٰ جلد اول رسالہ الکشف النمیر میں ایراد کیا۔ ۸،۲۶۹۰۴۵۷ لوامیال قطر مدار + ۹۹ ۴۹۷۱۴ ،۰ = ۸،۷۶۶۱۹۵۶ لوامیال ما ۔ ۳۸/۴۵/۳۳۴، ۴ ۔ لو دقائق محیط = ۴،۴۳۱۷۴۱۸ لوامیال دقیقہ محیط ما + ۹ ۵۰۶۰۵۳ ،۱ ۔ دقائق قطر شمس ۰ ۵،۹۳۷۷۹۵۷ ۔ لوامیال قطر شمس ما۔

چھپن زمینوں کے برابر ہے، وہ جرم کہ اس کے بارہ تیرہ لاکھ حصوں میں سے ایک کے بھی برابر نہیں، اس کی کیا مقاومت کر سکتا ہے۔ گرد دورہ کرنا نہ تھا بلکہ پہلے ہی دن کھینچ کر اس میں مل جاتا کیا ۱۲۔۱۳ لاکھ آدمی مل کر ایک کو کھینچیں تو وہ کھینچ نہ سکے گا بلکہ اس کے گرد گھومے گا۔

ثانیاً جب کہ نصف دور میں جاذبیت شمس غالب آ کر اکتیس لاکھ سے زیادہ دور بھاگ گئی، حالانکہ قرب موجب قوت اثر جذب ہے تو حضیض پر لا کر جاذبیت شمس کا اثر اور قوی تر ہوتا اور زمین کا وقتاً فوقتاً قریب تر ہوتا جانا لازم تھا نہ کہ نہایت قرب پر آ کر اس کی قوت سست پڑے اور زمین اس کے نیچے سے چھوٹ کر پھر اتنی ہی دور ہو جائے۔ شاید جولائی سے جنوری تک آفتاب کو راتب زیادہ ملتا ہے۔ قوت تیز ہوتی ہے۔ اور جنوری سے جولائی تک بھوکا رہتا ہے۔ کمزور پڑ جاتا ہے۔ دو جسم برابر کے ہوتے تو یہ کہنا ایک ظاہری لگتی ہوئی بات تھی کہ نصف دور میں یہ غالب ہوتا اور نصف دور میں وہ۔ نہ کہ وہ جرم کہ زمین کے ۱۲ لاکھ امثال سے بڑا ہے اسے کھینچ کر ۳۱ لاکھ میل سے زیادہ قریب کرے اور عین شباب اثر جذب کے وقت سست پڑ جائے اور ادھر ایک ادھر ۱۲ لاکھ سے زائد پر غلبہ و مغلوب کا دورہ پورا نصف نصف اقسام پائے۔

ثالثاً خاص ان میں لفظوں کا تعین اور ہر سال انہی پر غلبہ و مغلوبیت کی کیا وجہ، بخلاف ہمارے اصول کے کہ زمین ساکن اور آفتاب اس[1] کے گرد ایک ایسے دائرے پر

....

۔۳،۸۹۸۴۴۵۹ لوامیال قطر زمین = ۲،۰۹۴۴۹۸ لو نسبت قطرین آ+۳ کہ کرہ:کرہ::قطر:قطر مثلثہ بالتکریر ۶،۱۱۸۳۴۹۴ لو نسبت کرتین عدد ۱۳۱۳۲۵۶ وہو المقصو دیعنی محیط فلک شمس اٹھاون کروڑ سینتیس لاکھ آٹھ ہزار میل ہے ۔ اور ایک دقیقہ محیط ۲۷۰۲۳،۵ میل اور قطر شمس ۸۶۶۵۵۴،۲ میل اور قطر زمین کے ۱۰۹،۵۰۹ امثل ہے۔ اور جرم شمس تیرہ لاکھ تیرہ ہزار دو سو چھپن زمینوں کی برابر۔ اور علم حق اس کا خالق جل وعلا کو ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز۔

[1] تنبیہ ضروری آفتاب کو مرکز ساکن اور زمین کو اس کے گرد دائر ماننا تو صراحۃ آیات قرآنیہ کا صاف انکار ہے۔ یہی ہیئات یونان کا مزعوم ہے کہ آفتاب مرکز زمین کے گرد دائر تو ہے مگر نہ خود بلکہ حرکت فلک سے آفتاب کی حرکت عرضیہ ہے۔ جیسے جالس سفینہ کی یہ بھی ظاہر قرآن کریم۔ کے خلاف ہے۔ بلکہ خود آفتاب متحرک ہے آسمان میں تیرتا ہے جس طرح دریا میں مچھلی۔۔۔۔ قال اللہ تعالیٰ کل فی فلک یسبحون۔ افقہ الصحابۃ بعد الخلفاء الاربعۃ عبداللہ بن مسعود صاحب سر رسول اللہ

متحرک جس کا مرکز۔ مرکز عالم سے اکتیس لاکھ سولہ ہزار باون میل باہر ہے۔ اگر مرکز متحد ہوتا زمین سے آفتاب کا بعد ہمیشہ یکساں رہتا مگر بوجہ خروج مرکز جب آفتاب نقطۂ ا پر ہوگا مرکز زمین سے اس کا فصل ا، ج ہوگا یعنی بقدر اب نصف قطر مدار شمس + ج ب ما بین المرکزین اور جب نقطہ ع پر ہوگا اس کا فصل ح ع ہوگا یعنی المرکزین اور جب نقطہ ع پر ہوگا اس کا فصل ح ع ہوگا یعنی بقدر ب ع نصف قطر مدار شمس۔ ب ج ما بین المرکزین دونوں فصلوں میں بقدر دو چند ما بین المرکزین فرق ہوگا یہ اصل کروی پر ہے۔

لیکن بعد اوسط اصل بیضی میں لیا گیا ہے۔ اس میں بعد اوسط منتصف ما بین المرکزین پر ہے تو بعد اوسط + نصف ما بین المرکزین = بعد ابعد، ۔نصف مذکور = بعد اقرب، لا جرم ما بین المرکزین فرق ہوگا۔ اور یہی نقطے اس قرب و بعد کے لئے خود ہی متعین رہیں گے ۔کتنی صاف بات ہے جس میں نہ جاذبیت کا جھگڑا نہ نافریت کا بکھیڑا۔

ذلك تقدير العزيز العليم

یہ سادھا ہوا زبردست جاننے والے کا ہے۔

جل و علا و صلى الله تعالىٰ علىٰ سيدنا و الهٖ و صحبه و سلم

یہاں منجم میں اور بہت اغلاط ہیں۔ جن کی طرف التفات نہ کیا۔

والله سبحٰنه و تعالىٰ اعلم

مطبوعہ الرضا بریلی شمارہ ۲

آئزک نیوٹن پر تنقید

یورپ کے مشہور سائنس داں نیوٹن نے حرکت زمین پر ایک کتاب لکھی جو اسلامی

....

صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنھم اجمعین کے حضور کعب کا قول مذکور ہوا کہ آسمان گھومتا ہے۔ دونوں حضرات نے بالاتفاق فرمایا کذب کعب۔ ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا ہ کعب نے غلط کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ سرکیں نہیں۔ زاد ابن مسعود کفی بھاز والا ان تدور۔ رواہ عنہ سعید ابن منصور وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وعن حذیفۃ عبد ابن حمید۔ اس آیت میں اگرچہ تاویل ہو سکے صحابۂ کرام خصوصا ایسے اجلۂ علم بمعانی القرآن ہیں ان کا اتباع واجب ۱۲۔ منہ

عقیدۂ سکون زمین کے خلاف تھی۔ وہ ہندوستان کے کالجوں میں پڑھائی گئی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے پاس باہر سے خطوط آئے اور لوگوں نے خود بھی آکر زبانی عرض کیا کہ اسے پڑھ کر مسلمان لڑکوں کے خیالات بگڑ رہے ہیں۔ آپ توجہ فرمائیں، آپ نے اس کے رد میں دو کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ایک کا تاریخی نام فوز مبین در رد حرکت زمین" رکھا۔ اس کتاب میں نیوٹن کے فلسفہ کا رد اکثر اس کے مسلمات سے کیا ہے، یہ کتاب رسالۃ الرضا بریلی سے باقساط شائع ہوتی رہی۔ جب الرضا بادسموم کے جھونکوں سے ختم ہوا تو کتاب کی طباعت بھی بند ہوگئی۔ اتفاق سے اس کے چند اوراق یونیورسٹی کے کسی پروفیسر کی نظر سے گزرے ،انہوں نے سائنس کے طلباء سے اس کا ذکر کیا، کالج کے لڑکوں نے اس کی طلب میں مولوی ریاض الدین مرحوم علیگ کو (جو بریلی ہی کے ساکن تھے) بریلی بھیجا، وہ اس کتاب کے سارے فرمے بریلی سے لے گئے، اس کے بعد طباعت کی نوبت نہ آئی۔ البتہ دوسری کتاب ''نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان'' جو قرآن پاک کی آیات سے مزین تھی جس میں شرعی دلائل سے حرکت زمین وآسمان کا ابطال کیا گیا تھا وہ ایک بار مکمل چھپی اور ختم ہوگئی، دوبارہ شاید نہ چھپ سکی، یہ ان علوم جدیدہ مروجہ کا حال تھا جو یورپ وایشیا دونوں میں پڑھائے جاتے تھے۔ رہے علوم غریبہ اعلیٰ حضرت قبلہ سے ہمسری کے دعویداروں کو جن کا موضوع تک معلوم نہیں۔ نہ ان کا کہیں درس ہے، نہ کتابیں ملتی ہیں وہ کبھی زندہ علوم تھے مگر اب تو مدتوں سے مردہ ہو چکے تھے، اعلیٰ حضرت کو ایسے نادر الوجود اور کمیاب علوم میں بھی کمال حاصل تھا۔ آپ نے اپنے بعض تلامذہ کو بھی وہ علوم پڑھا دیئے تھے۔ جیسے تکسیر ،توقیت ،لوگارثم ،جفر وغیرہ ان سب کا احیاء بھی اعلیٰ حضرت قبلہ کے لئے مقدر میں تھا ۔انہوں نے ان علوم پر کتابیں لکھیں ہیں جو طبع نہ ہوسکیں۔

سید حسین مدنی اور سید حبیب دمشقی کے تاثرات

مولانا سید حسین مدنی مدینہ پاک کے باشندے تھے۔خود عالم تھے۔مدینہ پاک کے نجیب سادات کرام میں تھے۔انہیں علم جفر سیکھنے کا شوق ہوا۔اعلیٰ حضرت قبلہ کی شہرت اس وقت عرب وعجم میں پھیل چکی تھی۔یہ جفر سیکھنے مدینہ منورہ سے سیدھے بریلی آئے اور یہاں چودہ ماہ اعلیٰ حضرت قبلہ کے پاس رہ کر علم جفر حاصل کیا۔وہ سیدھے عرب تھے۔اس لئے بڑے ہی متواضع تھے۔اعلیٰ حضرت کو، خاندان کے لوگوں اور پڑوسیوں کو اکثر بعد نماز فجر اپنی قیام گاہ پر لے جاتے اور چائے ناشتہ سے تواضع کرتے، ان کے ساتھ ایک غلام بھی تھا وہ چائے وغیرہ تیار کرتا تھا مگر خود بھی اس کے شریک کار ہو جاتے، ایک روز حاضرین میں وہیں بیٹھے بیٹھے یہ بحث چھڑ گئی کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کی شہرت اب تمام بلاد اسلامیہ میں پھیل چکی ہے کہ لوگ وہاں سے جفر وغیرہ پڑھنے یہاں آرہے ہیں (اس سے کچھ ماہ قبل مولانا عبد الغفار صاحب بخاری سال دو برس رہ کر اپنی جفر کی تکمیل کر کے واپس گئے تھے) ایک دوسرے صاحب نے کہا اعلیٰ حضرت قبلہ نے محنت بھی کتنی کی ہے کہ اپنی تندرستی بالکل تج دی۔سید حسین صاحب مدنی جو اپنے کام میں مصروف تھے انہوں نے جب یہ سنا تو غصہ سے سرخ ہو گئے اور کرخت لہجے میں فرمایا اگر محنت پچاس مولوی احمد رضا خاں۔ ذلك من عطاء ربی ۔یعنی محنت سے اگر آدمی مولوی احمد رضا خاں جیسا ہو جایا کرتا تو ان جیسے آج پچاس مولوی احمد رضا خاں اور ہوتے۔یہ تو میرے خدا کی دین ہے۔بات یہ تھی کہ محنت تو سب ہی کرتے ہیں مگر ایسا فیضان قدرت ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا کہ پڑھا بے پڑھا سب یکساں پڑھا ہوا ہو جائے۔ان کا حال ہر علم میں یہ تھا کہ گویا اسی کی طلب میں ساری عمر صرف کی ہے۔پھر ان میں سے بعض علوم وہ تھے جو کسی سے پڑھے بھی نہ تھے، اس لئے کہ ان کا جاننے والا ہی دستیاب نہ ہوا۔اور ان علوم کی صرف کتابیں دستیاب ہو سکیں۔اور جب ان

سے کام لیا تو ان میں بھی یگانۂ روزگار ہی ہو گئے ۔آپ اگر ان کے تبحر کی جانچ کرنے بیٹھیں گے تو آپ کو نہ صرف مشرقی بلکہ بعض مغربی علوم اور مغربی مصنفین کی کتابیں بھی دیکھنا ہوں گی، اس لئے کہ ان کی بعض کتابیں یورپین مصنفین کے نظریوں کے ابطال پر بھی ہیں۔ یہ بات تو ان کے معاصرین علماء میں سے پورب سے پچھم تک کہیں نہ ملے گی۔ یہ ہمہ گیری صرف مجدد وقت ہی کی شان ہوسکتی ہے۔

مولانا سید حبیب اللہ دمشقی جنہوں نے دنیائے اسلام کی سیاحت کر ڈالی تھی ۔ان کی عمر کا بڑا حصہ سیاحت میں گزر چکا تھا۔انہوں نے دورانِ سیاحت میں بریلی میں کئی سال میں کئی دورے کئے، وہ بھی فرماتے تھے کہ اس شان کا جامع عالم میری نظر سے کہیں نہیں گزرا۔

چوتھا باب
عادات واخلاق

اتباع شریعت

آپ کی بچپن میں یہ عادت رہی کہ اجنبی عورتیں اگر نظر آجاتیں تو کرتے کے دامن سے منہ چھپالیتے۔حضرت ملک العلماء نے سوانح اعلیٰ حضرت میں اس کا ذکر کیا ہے۔دیکھئے یہ تھاالحیاء شعبة مز الایمان اورفطری تقویٰ کا مظاہرہ جس سے ان کا باطن صاف جھلکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی روزہ کشائی بڑی دھوم دھام سے ہوئی،سارے خاندان اور حلقۂ احباب کومدعوکیا گیا۔کھانے دانے پکے۔افطاریاں بنیں۔اس میں فیرنی بھی تھی۔جس کے پیالے ایک کمرے میں جمانے کے لئے رکھے تھے۔رمضان المبارک گری میں تھا۔اوراعلیٰ حضرت خوردسال تھےمگرآپ نے بڑی خوشی سے پہلا روزہ رکھا تھا۔ٹھیک دوپہر میں چہرۂ مبارک پرہوائیاں اڑنےلگیں۔آپ کے والد ماجد نے دیکھا تو اس کمرے میں لے گئے اور اندرسےکواڑ بندکرکےاعلیٰ حضرت کوفیرنی کا ایک ٹھنڈا پیالہ اٹھاکردیااورفرمایا کہ کھالو۔آپ نے فرمایا میرا تو روزہ ہے۔انہوں نے فرمایا کہ بچوں کے روزے یوں ہی ہوا کرتے ہیں۔کمرہ بند ہے نہ کوئی آسکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے۔تواعلیٰ حضرت قبلہ نے عرض کیا کہ جس کا روزہ رکھا ہے وہ تو دیکھ رہا ہے۔اس پر باپ آبدیدہ ہوگئے۔اور خدا کا شکرادا کیا کہ خدا کے عہدکو یہ بچہ کبھی فراموش نہ کرے گا۔جس کوبھوک پیاس کی شدت میں کمزوری اورکم سنی میں ہرفرض کی فرضیت سے پہلے وفاءعہدکی فرضیت کا اتنالحاظ وپاس ہے۔

روزے کی قضاء کے بارے میں نہ ان کے کسی بڑے کی زبانی سنا، نہ کسی برابر والے نے بتایا، نہ ہم چھوٹوں نے کبھی ماہ مبارک کا کوئی روزہ قضا کرتے دیکھا۔ بعض مرتبہ ماہ مبارک میں بھی علالت ہوئی مگر اعلیٰ حضرت نے روزہ نہ چھوڑا، اگر کسی نے بہ اصرار عرض بھی کیا کہ ایسی حالت میں روزے سے کمزوری اور بڑھے گی تو ارشاد فرمایا کہ مریض ہوں تو علاج نہ کروں؟ لوگ تعجب سے کہتے تھے کہ روزہ بھی کوئی علاج ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اکسیر علاج ہے میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بتایا ہوا اکسیر ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں صوموا تصحوا۔ روزہ رکھو تندرست ہو جاؤ گے۔

اعلیٰ حضرت قبلہ کا ایک سال پاؤں کا انگوٹھا پک گیا، اور اس میں ان کے خاص جراح جو شہر میں سب سے ہوشیار جراح تھے جن کو بعض سول سرجن بھی خطرناک آپریشن میں شریک کرتے تھے، مولا بخش مرحوم، انہوں نے ان کا آپریشن کر دیا پٹی باندھنے کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ حضور اگر حرکت نہ کریں گے تو یہ زخم دس بارہ روز میں خشک ہو سکے گا ورنہ زیادہ وقت لگے گا، وہ یہ کہہ کر چلے گئے۔ یہاں یہ ممکن نہ تھا کہ مسجد کی حاضری اور جماعت میں پابندی ترک کر دی جائے۔ یہ صبح کا وقت تھا۔ جب ظہر کا وقت آیا آپ نے وضو کیا اور کھڑے نہ ہو سکتے تھے تو بیٹھ کر پھاٹک تک آگئے، وہیں سے لوگوں نے کرسی پر بٹھا کر مسجد تک پہنچا دیا۔ اور اس وقت اہل محلّہ خاندان وغیرہ نے یہ طے کیا کہ علاوہ مغرب کے ہر اذان کے بعد ہم سب میں سے چار مضبوط آدمی کرسی لے کر زنان خانہ میں حاضر ہو جایا کریں گے، اور پلنگ ہی پر سے کرسی پر بٹھا کر مسجد کی محراب کے قریب بٹھا دیا کریں گے ،اور مغرب کی نماز کے وقت اندازے سے حاضر ہو جایا کریں۔ یہ سلسلہ تقریباً ایک ماہ تک بڑی پابندی سے چلتا رہا، جب زخم اچھا ہو گیا اور آپ خود چلنے کے قابل ہو گئے تو یہ سلسلہ ختم ہوا، نماز تو نماز ہے ان کی جماعت کا ترک بھی بلا عذر شرعی کسی صاحب کو یاد نہ ہوگا، ان کے بزرگوں اور ہم عمروں کے بیان سے معلوم ہوا ہے کہ وہ ابتدا سے نماز با جماعت کے سخت

پابندر ہے، گویا قبل بلوغ ہی وہ اصحاب ترتیب کے زیر میں داخل ہو چکے تھے اور وقتِ وفات تک صاحب ترتیب ہی رہے۔ جمعۃ الوفات ہی ایسا جمعہ ہوا جس کو مسجد میں ادا نہ کر سکے۔

اعلیٰ حضرت قبلہ کے معمولات میں بچپن ہی سے ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں جن سے ان کی اسلامی زندگی صاف جھلکتی ہے، جو آگے چل کر چمک گئی پھر تو دنیائے اسلام نے ہندوستان سے عرب تک ان کی پاک وصاف زندگی کو بچشم سر دیکھا اور بہت سراہا ہے۔

ہمارے ہوش سے خدا بخش مرحوم ہمارے خاندان اور بعض دیگر اہل محلّہ میں پانی بھرتے تھے۔ اور ان کا سب سے بڑا مگر نابالغ لڑکا محمد بخش اعلیٰ حضرت کے یہاں اپنے چھوٹے ڈول مشک سے پانی بھرتا تھا۔ اس کے بالغ ہونے پر اس کا چھوٹا بھائی حافظ احمد بخش اس خدمت پر معمور ہوا۔ ان دونوں کی ماں کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ اور خدا بخش مرحوم نے دوسری عورت سے نکاح کر لیا تھا۔ اس عورت سے بھی رب العزت نے ڈھائی ڈھائی تین تین برس کے فرق سے لڑکے ہی دیئے۔ یہ سلسلہ بھی کئی برس تک جاری رہا اور یہ انتظام خدا بخش مرحوم نے اس لئے کیا تھا کہ بی بی صاحبہ اور صاحب زادیوں کو پانی کے سلسلہ میں بار بار پردے کی تکلیف نہ کرنا پڑے۔ ایک بچہ کی آب کشی کے دور میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ دار العلوم منظر اسلام کے جلسے ہو رہے تھے۔ علماء کرام باہر سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ ظہر کا وقت تھا۔ ان علمائے کرام میں شاید یہ چار صاحب ضرور تھے۔ مولانا یعقوب علی خاں بلاسپوری، حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری ناظم دینیات علی گڑھ یونیورسٹی، حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی، حضرت مولانا سید دیدار علی صاحب الوری۔ ایک بچہ سقّا پانی بھر رہا تھا۔ جب اس نے ڈول اوپر کھینچ لیا تو کسی ایک صاحب نے پانی لینے کے لئے لوٹا بڑھا دیا، لڑکے نے ان کی طرف بغور دیکھا اور ڈول اپنی مشک میں لوٹ کر کہا کہ میں نابالغ ہوں میرے دیئے ہوئے پانی سے آپ کا وضو نہ ہوگا۔ مسئلہ اپنی جگہ بالکل صحیح تھا، اب اس جرح کا سوال ہوا کہ تم کہاں کہاں پانی بھرتے ہو، اس

نے بتایا کہ اعلیٰ حضرت کے یہاں، پھر پوچھا گیا کہ ان کا وضو کیسے ہو جاتا ہے، اس پر بچہ سقا خاموش ہو گیا، حاجی کفایت اللہ صاحب مرحوم اس جگہ آ گئے تھے یہ گفتگو بغور سن رہے تھے، انہوں نے عرض کیا کہ پانی کا معاہدہ اس کے باپ سے ہے، وہ خود بھرے یا اپنے بچوں سے بھروا دے، خواہ وہ بچے نابالغ ہوں وضو صحیح ہو جائے گا۔ اس مولانا سید سلیمان اشرف نے فرمایا کہ فقیہ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے خدام بھی مسائل فقہ جانتے ہیں۔ ان کے گھر کی ملازم عورتیں اور باہر کے ملازم مرد اگر کام کاج کے قابل نہ رہے تو خود گئے یا یہاں مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور گھر والے لے گئے تو ان کی وفات پر تنخواہ روز رحلت تک کی ادا کی گئی، اور جو کچھ امداد ہو سکی وہ کی گئی، میرے سامنے چند ایسے حادثے ہوئے ہیں کسی کا نکالا جانا مجھے یاد نہیں۔ آدمی کی بھلائی برائی کی صحیح جانچ اس کے نجی حالات ہی سے ہو سکتی ہے۔ منظر عام پر تو ہر شخص بن سنور کر آتا ہے، یا لایا جاتا ہے۔ میں نے اس دور کے بعض لوگوں کی سوانح عمریاں دیکھی ہے، ان کے مصنفین نے اپنے ممدوح کو بڑی بلند سطح پر دکھایا، بعض نے تو سطح بشری سے بھی اونچا کر دیا ہے۔ مگر ان کے نجی حالات کو ٹٹولا تو کچھ نہ کچھ گدلا ہی نکلا۔ درحقیقت اس عظیم شخصیت کے نجی حالات کے لئے بھی ایک دفتر درکار تھا، اس کتاب میں اس کی گنجائش کہاں، کاش ان کے نجی حالات منظر عام پر آ جاتے تو ان کے نجی معاملات کی صفائی اور ان کی خالص اسلامی زندگی کا اندازہ ہو جاتا۔

احترام سادات

اعلیٰ حضرت کا خاندان سادات کی عزت وعظمت کے لئے مدت سے مشہور ہے ۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے دادا مولانا رضا علی خاں روزانہ نماز فجر پڑھ کر سادات کرام نو محلہ کی خیریت معلوم کرنے اور سلام عرض کرنے جایا کرتے تھے۔ ان کے اس معمول میں کسی مجبوری ہی سے فرق پڑتا تھا۔ یہ خاندان نجیب بھی سادات کرام کا عجیب خاندان تھا۔ ان

کے اخلاق کریمہ یہ کہوا لیتے تھے کہ ان کی رگوں میں خون سرکار رسالت ہے اور سارا خاندان حسین وجمیل خوبصورت اور خوب سیرت تھا۔ مولانا رضا علی خاں صاحب کے بعد مولانا نقی علی خاں بھی اسی خاندان سے وابستہ رہے۔ ہر تقریب میں ہر دعوت میں وہ اپنے یہاں سادات کرام کو ضرورت شریک کرتے تھے۔ اور ان کا اعزازی حصہ سب سے دوگنا ہوتا تھا ۔اعلیٰ حضرت اگر کبھی ناخوش ہوئے تو کھانا یا حقہ یا پان چھوڑ دیتے تھے جس سے انہیں سخت تکلیف ہوتی تھی، کبھی یہ مجاہدہ ہو ہی جاتا تھا۔ پہلے تو خاندان والے اور احباب اس غصہ کے فرد کرنے کی کوشش کرتے۔ اگر وہ اس مجاہدہ کو نہ ختم کرا سکے تو سید صاحبان سے عرض کیا جاتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کو سید صاحب کے حکم کی تعمیل کرنا پڑتی تھی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے ایک بار کھانا چھوڑا اور صرف ناشتہ پر قناعت کی۔ اس میں بھی کوئی اضافہ منظور نہ فرمایا۔ سارے خاندان اور ان کے احباب کی کوشش رائگاں گئی۔ سید مقبول صاحب کے خدمت میں نومحلّہ حاضر ہوئے عرض کیا: آج دو مہینے ہونے کو آئے کہ اعلیٰ حضرت نے کھانا چھوڑ دیا ہے، ہم سب کوشش کر کے تھک گئے ہیں، آپ ہی انہیں مجبور کر سکتے ہیں، اس پر انہوں نے فرمایا کہ ہماری زندگی میں انہیں یہ ہمت ہوگئی ہے کہ وہ کھانا چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ابھی کھانا تیار کراتا ہوں اور لے کر آتا ہوں، حسب وعدہ سید مقبول صاحب ایک نعمت خانہ میں کھانا لے کر خود تشریف لائے، اعلیٰ حضرت قبلہ زنانے مکان میں تھے۔ سید صاحب کی اطلاع پاتے ہی باہر آ گئے ۔سید صاحب سے قدم بوس ہوئے۔ اب بات چیت شروع ہوئی۔ سید صاحب نے فرمایا میں نے سنا ہے کہ آپ نے کھانا چھوڑ دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے عرض کیا کہ میں تو روز کھاتا ہوں۔ سید صاحب نے فرمایا مجھے معلوم ہے جیسا آپ کھاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے عرض کیا کہ حضور میرے معاملات میں اب تک کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ میں اپنا سب کام بدستور کر رہا ہوں، مجھ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی تو سید صاحب قبلہ برہم ہو گئے اور کھڑے ہو کر فرمانے لگے اچھا تو میں کھانا لیے جاتا ہوں، کل میدان قیامت میں سرکار دو

جہاں کا دامن پکڑ کر عرض کروں گا کہ ایک سیدانی نے بڑے شوق سے کھانا پکایا اور سید لے کر آیا مگر آپ کے احمد رضا خاں نے کسی طرح نہ کھایا۔ اس پر اعلیٰ حضرت کانپ گئے، عرض کیا کہ میں تعمیل حکم کے لئے حاضر ہوں۔ ابھی کھائے لیتا ہوں۔ سید صاحب قبلہ نے فرمایا کہ اب تو یہ کھانا تم جب ہی کھا سکتے ہوں جب یہ وعدہ کرو کہ اب عمر بھر کھانا نہ چھوڑو گے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت قبلہ نے عمر بھر کھانا نہ چھوڑنے کا وعدہ کیا تو سید صاحب قبلہ نے اپنے سامنے انہیں کھلایا اور خوش خوش تشریف لے گئے۔ اعلیٰ حضرت کے لیے سادات کرام کا جائز حکم آخری ہوتا تھا۔ سادات کرام کے حکم کے بعد اعلیٰ حضرت کو سوائے تعمیل حکم کے کوئی چارہ کار ہی نہ ہوتا تھا۔ ہم نے ان کے والد ماجد کا دور تو نہ دیکھا مگر یہ دیکھا کہ اللہ اور رسول کے حکم کے بعد اعلیٰ حضرت کے یہاں سادات کرام ہی کا حکم نافذ ہو سکتا تھا۔ یہ نا قابل انکار حقیقت ہے کہ سرکار دوعالم کی آخری وصیت انی تارك فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی۔ (ترجمہ) میں تم میں دو بھاری امانتیں چھوڑتا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور اپنی اولاد) پر پورا پورا عمل کر کے اس دور میں اعلیٰ حضرت قبلہ ہی نے دکھایا۔

بزرگوں کا ادب

اعلیٰ حضرت قبلہ حضرت حجۃ الاسلام کو گھر کے ایک دالان میں پڑھانے بیٹھے۔ وہ پچھلا سبق سنکر آگے سبق دیتے تھے۔ پچھلا سبق جو سنا تو وہ یاد نہ تھا۔ اس پر ان کو سزا دی۔ اعلیٰ حضرت کی والدہ محترمہ جو دوسرے دالان کے کسی گوشے میں تشریف فرما تھیں انہیں کسی طرح اس کی خبر ہو گئی، وہ حضرت حجۃ الاسلام کو بہت چاہتی تھیں، غصہ میں بھری ہوئی آئیں اور اعلیٰ حضرت قبلہ کی پشت پر ایک دوتھپڑ مارا اور فرمایا تم میرے حامد کو مارتے ہو، اعلیٰ حضرت فوراً جھک کر کھڑے ہو گئے اور اپنی والدہ محترمہ سے عرض کیا کہ اماں اور ماریئے جب تک کہ آپ کا غصہ فرو نہ ہو۔ یہ کہنے کے بعد انہوں نے ایک دو ہتڑ مارا، اعلیٰ حضرت سر جھکائے کھڑے رہے یہاں تک کہ وہ خود واپس تشریف لے گئیں، اس وقت تو جو غصہ

میں ہوناتھا ہوگیا مگراس واقعہ کا ذکر جب کرتیں تو آبدیدہ ہوکرفرماتیں کہ دو ہنٹر مارنے سے پہلے میرے ہاتھ کیوں نہ ٹوٹ گئے کہ ایسے مطیع وفرماں بردار بیٹے کے جس نے خود پٹنے کے لئے پیش کر دیا۔ دوسرا دو ہنٹر کیسے مارا۔ افسوس۔ یہ تھی اعلحضرت قدس سرہ کی بڑوں کی عزت، اس لئے رب العزت نے ان کو گھر بیٹھے حیرت انگیز وقار عطا فرمایا تھا۔ ان کے دور میں اس کی ایسی دوسری کوئی مثال نہیں ملتی۔ دوست دشمن سب ان کا لوہا مانتے تھے۔ اور اب بھی جو لوگ ان کو جانتے جارہے ہیں وہ ان کو اپنے دور کا سب سے بڑا رہنما مانتے جارہے ہیں۔ آج بھی بفضلہٖ تعالیٰ ان کی شخصیت سب سے پیش پیش ہے۔ اور ہر نزاعی مسئلہ میں ان کے رسائل وفتاویٰ پر سب کی نظر ہے۔

غریبوں پر شفقت

ایک روز ایک کم سن صاحبزادے اعلیٰ حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑی بے تکلفی سے آپ سے کہنے لگے کہ میری بوا (ماں) نے آپ کی دعوت کی ہے۔ کل صبح بلایا ہے، اعلیٰ حضرت قبلہ نے ان کی بے تکلفی پر مزاحاً دریافت فرمایا کہ دعوت میں کیا کھلاؤ گے، صاحبزادے نے اپنے کرتے کا دامن جسے دونوں ہاتھوں سے پکڑے تھے پھیلا کر دکھا دیا۔ اس میں ماش کی دال اور کچھ مرچیں تھیں اور کہا دیکھئے نا یہ لایا ہوں۔ اعلیٰ حضرت نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا کہ میں اور یہ (حاجی کفایت اللہ صاحب کی طرف اشارہ فرمایا) آئیں گے، اور حاجی صاحب کو حکم دیا کہ ان سے مکان کا پتہ دریافت کر لیجئے۔ صاحبزادے مکان کا پتہ بتا کر خوش خوش لوٹ گئے۔ دوسرے دن وقت مقررہ پر اعلیٰ حضرت قبلہ اندر سے تشریف لائے اور حاجی صاحب سے فرمایا چلئے، انہوں نے عرض کیا: کہاں؟ فرمایا صاحبزادے کے یہاں جو کل دعوت کا کہہ گئے تھے، آپ نے مکان کا پتہ معلوم کر ہی لیا ہوگا۔ حاجی صاحب نے عرض کیا: ہاں حضور ان کا مکان محلہ ملوکپور میں ہے یہ کہہ کر ساتھ ہو لیے۔ جس وقت ان کے مکان پر پہنچے تو صاحبزادے اپنے دروازے پر

کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت کو دیکھتے ہی یہ کہتے ہوئے اندر کو بھاگے ارے مولوی صاحب آ گئے۔ان کے دروازے پر ایک چھپر پڑا تھا جس کے سایہ میں اعلیٰ حضرت اور حاجی کفایت اللہ صاحب کچھ دیر منتظر کھڑے رہے۔اس کے بعد ایک بوسیدہ چٹائی آئی اور ایک ڈلیا میں باجرہ کی گرم گرم روٹیاں آئیں۔مٹی کی رکابی میں ماش کی دال آئی جس میں مرچوں کے ٹکڑے ٹوٹے ہوئے پڑے تھے۔ یہ رکھ کر صاحب زادے نے کھانے کو کہا، فرمایا: ہاتھ دھونے کے لیے پہلے پانی تو لائیے ،وہ پانی لینے مکان میں گئے تو حاجی صاحب نے یہ عرض کیا: یہ مکان تو نقارچی کا ہے۔اعلیٰ حضرت قبلہ نے ان سے کبیدہ خاطر ہو کر فرمایا: ابھی سے کیوں کہہ دیا۔کھانے کے بعد کہتے۔اتنے میں صاحبزادے پانی لے کر آ گئے۔آپ نے ان سے پہلا سوال یہ کیا کہ آپ کے والد کہاں ہیں، اور کیا کام کرتے ہیں؟ پردے کی آڑ سے ان کی ماں نے عرض کیا کہ میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے، وہ پہلے کبھی نوبت بجاتے تھے،اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی تھی ،اور اب تو کمانے والا صرف یہ لڑکا ہے جو راجوں کے ساتھ مزدوری کرتا ہے۔اعلیٰ حضرت نے خدا کا شکر ادا کیا اور ان لوگوں کے لئے دعاء خیر و برکت کی۔حاجی صاحب بھی شریک طعام رہے۔حاجی صاحب کے دل میں یہ خیال گشت کرتا رہا کہ اعلیٰ حضرت کے کھانے میں گھر پر تو یہ احتیاط برتی جاتی ہے کہ بجائے چپاتی کے سوجی کا بسکٹ ملاحظہ فرماتے ہیں، یہاں باجرہ کی روٹی اور ماش کی دال کھانا پڑی ہے، قربان ان اخلاق کریمہ کے کہ میزبان کی دل شکنی کے اندیشے سے کچھ نہیں فرماتے۔ بلکہ میزبان کا دل رکھنے کے لئے پوری توجہ سے کھانا کھا رہے ہیں۔غرضیکہ وہاں خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔حاجی صاحب کا پورا ساتھ دیا۔واپسی پر حاجی صاحب سے فرمایا کہ اگر ایسی پر خلوص دعوت ہوا کرے تو میں روز کھاؤں۔ورنہ گھر پر سوائے گوشت بزیا چوزے کے اور کوئی چیز پیش نہ کی جاتی تھی۔ یا بعض وہ میٹھی اور ٹھنڈی چیزیں جوان کو مضر نہ ہوتیں۔اس پرہیز کا سبب ان کی علالت اور کمزوری تھی جوان کو تیرہ

چودہ سال کی عمر سے مسلسل بیٹھے رہ کر لکھنے سے عارض ہوئی تھی۔ آخر عمر تک یکساں یہی حالت رہی۔ درد گروہ کے وہ مستقبل مریض تھے جس کے کبھی کبھی دورے پڑ جاتے تھے۔ مگر اپنے کام کے آگے وہ ان موانع کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

ایک روز ایک صاحب تشریف لائے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کی اور ان کے بعض ساتھیوں کی دعوت کر کے چلے گئے۔ دوسرے دن گاڑی آ گئی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے ساتھ اس روز مولانا ظفر الدین صاحب بھی تھے۔ مکان پر گاڑی پہنچی تو میزبان بھی منتظر ملے۔ گاڑی سے اتار۔ اور اپنے مکان میں چارپائی پر لے جا کر بٹھا دیا۔ ہاتھ دھلانے کے بعد ایک ڈھلیا میں روٹیاں اور رکابیوں میں گائے کے گوشت کا قیمہ رکھ دیا، کھانا شروع ہوا۔ مولانا ظفر الدین صاحب کو خیال آیا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ تو گائے کا گوشت کھاتے نہیں، ان کے لئے سخت مضر ہے، اگر گوشت شوربے کا پکاتے تو اعلیٰ حضرت شوربہ کھا لیتے۔ اور قیمہ میں بلا گوشت کھائے چارۂ کار ہی نہیں ہے۔ یہ اسی خیال میں الجھے ہوئے تھے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ نے از خود فرمایا مولانا ایک دعا حدیث شریف میں وارد ہے کہ مسلمان اگر پڑھ کر جو کچھ کھائے وہ کھانا ہرگز ضرر نہ دے گا۔ وہ دعا یہ ہے:

بسم اللہ الذی لا یضُرُّ مع اسمہ شیٌٔ فی الارض و لا فی السَّمآءِ و ھو السّمیعُ العلیم۔

ترجمہ:۔ میں اس اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کا نام نامی ہوتے ہوئے زمین و آسمان میں کوئی چیز نقصان نہیں کرتی، وہ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

مسلمان یہ دعا یاد کریں۔ اپنے گھر کی عورتوں اور بچوں کو یاد کرائیں، جو کھانے پینے کی ہر چیز سے پہلے یہ دعا پڑھ کر دم کریں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر ارشاد سے مسلمانوں کو فائدہ اٹھانا چاہئے۔

مولانا سمجھ گئے کہ میرے دل کے خطرے کا جواب دیا ہے اور اس دعا کی بھی تعلیم

فرمائی ہے، صاحب خانہ سے مولانا کی بے تکلفی تھی، مولانا نے موقع پاکر صاحب خانہ سے کہا کہ جب آپ کی مالی حالت اس قدر کمزور تھی کہ اعلیٰ حضرت کے لئے پرہیز کا کھانا نہ پکا سکتے تھے تو دعوت ہی کی کیا ضرورت تھی۔ صاحب خانہ بولے کہ غربت ہی کے سبب سے تو اعلیٰ حضرت کی دعوت کی تا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کے میرے یہاں قدم آئیں، میں جو کچھ حاضر کرسکوں وہ حاضر کردوں، اعلیٰ حضرت حسب عادت دعا فرمائیں تو میرے گھر کی نیستی دور ہو، اور خوشحالی آئے، دین ودنیا کی برکتیں حاصل ہوں۔

میرے ماموں زاد بھائی حکیم جمیل اللہ خاں مرحوم کی دودھ پلائی عنایتی بیگم عرف اننا بوا جو محلہ بازداران کی رہنے والی تھیں، جب دودھ پلانے پر مقرر ہوئیں تو وہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ نہایت متین اور سنجیدہ تھیں اور بڑی خدا ترس بیوہ تھیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ جمیل اللہ خاں مرحوم کے چچا ہوتے تھے اور بیوی صاحب کے رشتہ سے یہ گھر حقیقی خالہ کا گھر تھا، اننا بوا جمیل میاں مرحوم کو اعلیٰ حضرت قبلہ کے یہاں زیادہ لاتی تھیں۔ یہاں کی باتوں میں ان کا بہت دل لگتا تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور میلاد شریف کے فضائل عید میلادیں اعلی حضرت قبلہ سے سنتی رہتی تھیں۔ یہاں عورتوں میں بھی سرکار دو جہاں کے تذکرے سن کر انہیں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انتہائی محبت ہو گئی تھی۔ جب وہ ترک ملازمت کر کے اپنے گھر رہنے لگیں تو چکی پیس کر گزارہ کرتیں اور اسی پسائی سے جو کچھ پس انداز کرتیں اس سے سالانہ میلاد شریف کر دیا کرتیں۔ پہلے سال وہ آئیں تو اعلیٰ حضرت قبلہ سے انہوں نے میلاد شریف منعقد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ آپ کو شرکت کرنی ہوگی۔ اور پڑھنے والے آپ تجویز فرمائیں گے۔ اعلیٰ حضرت نے بڑی خندہ پیشانی سے وعدہ فرمایا۔ اور مولوی جمیل الرحمٰن خاں کو حکم دے دیا کہ عنایتی بیگم کے یہاں سالانہ میلاد شریف آپ پڑھا کریں گے۔ اننا بوا نے اپنے یہاں پانی بھرنے والے سقے سے کہا کہ میرے یہاں فلاں دن میلاد شریف ہے، اس میں اعلیٰ حضرت بھی تشریف

لائیں گے تم ذرا پانی کا خیال رکھنا۔ سقہ نے اپنے لوگوں سے اس کا ذکر کیا کہ اتنا بوا کے یہاں میلاد شریف میں اعلیٰ حضرت قبلہ تشریف لائیں گے۔ انہوں نے چھڑکاؤ کی اسکیم بنالی ۔اعلیٰ حضرت قبلہ باوجود یکہ مسجد تک عصا کے سہارے آتے تھے اور جہاں کہیں جاتے سواری میں جاتے تھے۔ میلاد شریف میں پیدل ہی گئے اور کئی سال یہ سلسلہ جاری رہا کہ سقہ صاحبان چھڑکاؤ کر گئے اور اعلیٰ حضرت کے ساتھ میلاد خواں اور دیگر حضرات پاپیادہ گئے اور پاپیادہ آئے۔ ان کی خالص اور نیک کمائی کا میلاد شریف ان کی حیات تک اسی طرح جاری رہا۔ دوتین دفعہ میں بھی اس تقریب سعید میں حاضر ہوا ہوں۔ اعلیٰ حضرت کی نظر ہمیشہ غریب مسلمانوں کے دل خوش کرنے پر مائل رہی۔ جس غریب کے اعمال بھی صحیح ہوتے تھے وہ ان کو دل سے عزیز ہوتا تھا۔ اس وقت مجھے سعدی شیرازی کا حسب ذیل شعر بار بار یاد آرہا ہے

دل بدست آور کہ حج اکبر است

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

اعلیٰ حضرت نے اس پر عمل کیا اور حسب ذیل حدیث ہر قدم پر پیش نظر رہی:

الخلق عیال الله ،فاحب الخلق إلى الله من احسن الى عياله.

ترجمہ:۔ خلق خدا کے لئے ایسی ہے جیسے آدمی کے لئے اس کا کنبہ تو خدا کو سب سے زیادہ پیارا وہ بندہ ہے جو کنبہ کے ساتھ بھلائی کرے۔

غرض مسلمانوں کی خدمت اور ان کی دل داری سے کبھی نہ چوکے۔

ایثار

اعلیٰ حضرت قبلہ کی فطرت میں ایثار داخل تھا۔ اس کے لئے پہلے سے کسی تعارف یا ادنیٰ واسطے اور تعلق کی اصلا حاجت نہ تھی۔ ایک شخص کا مسلمان ہونا ہی بڑی ہمدردی کا مستحق

بنادیتا ہے۔

جناب مقبول احمد خاں صاحب جو بعد میں صدر مدرس و مہتمم مدرسہ حمیدیہ در بھنگہ ہوئے۔ان کا کہنا ہے کہ میں جب ٹونک میں مولانا حکیم برکات احمد صاحب سے پڑھتا تھا وہاں ایک بزرگ آئے جنکی دعا اور تعویذات کی بڑی شہرت ہوئی، جس کو جس مقصد کے لئے تعویذ دیتے تیر بہدف ثابت ہوتا، جو جس مقصد کے لئے تعویذ لے جاتا کامیابی اس کے قدم چومتی۔کامیابی کے بعد عموماً وہ کافی نذرانہ پیش کرتا۔ایک دن ان بزرگ نے خود مجھ سے فرمایا کہ تم کوئی تعویذ نہیں لیتے۔ میں نے کہا کہ میرے پاس نذر کے لیے کچھ نہیں ہے کہ تعویذ لینے کی خواہش کروں۔فرمایا کہ تم سے کوئی نذر نہ لی جائے گی۔اس کے بعد ایک نقش عطا فرمایا اور فرمایا کہ سونے کے پتر پر یہ شرف آفتاب میں کندہ کرا کے انگوٹھی میں (نگ کے طور پر) جڑوا کر پہننا تسخیر و اکسیر ہے۔خدا کی شان کہ کندہ کرنے والے بھی مل گئے۔اور بقدر ضرورت سونے کا بھی انتظام ہوگیا۔رہا شرف آفتاب معلوم کرنے کا مسئلہ تو لوگوں سے مجھے معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی اس فن میں بھی کمال رکھتے ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت قبلہ کو میں نے ٹونک سے ایک عریضہ لکھ دیا اور اس میں میں نے لکھا کہ امسال شرف آفتاب کب ہے اور کس وقت سے کس وقت تک رہے گا۔میرا عریضہ جس دن پہنچا اس کے دوسرے دن ہی شرف آفتاب تھا، اگر بواپسی ڈاک اعلیٰ حضرت کارڈ یا لفافہ سے جواب دیتے تو بریلی سے ٹونک تک پہنچتے پہنچتے شرف آفتاب ختم ہو جاتا۔اس وقت مجھے جو صدمہ ہوتا اس کا اندازہ ہر ہوشمند کر سکتا ہے اور ایک سال کا پھر اس وقت سے انتظار کرنا پڑتا۔مولانا احمد رضا خاں صاحب نے ایک طالب علم کی اس تکلیف کا پورا احساس فرمایا۔اور اپنے پاس سے بذریعہ تار جواب دے دیا کہ کل نو بجے سے شرف آفتاب شروع ہوگا اور ایک رات دن رہے گا۔ٹھیک وقت پر مجھے تار مل گیا، میں وقت مقررہ پر اپنا تعویذ کندہ کرا سکا،اس تعویذ کی انگوٹھی ہر وقت میرے ہاتھ میں رہتی ہے

۔جس وقت اس انگوٹھی کو دیکھتا ہوں تو اعلیٰ حضرت کی اس بزرگانہ شفقت کو یاد کرتا ہوں کہ ایک طالب علم کی ضرورت کا انہوں نے کس درجہ خیال کیا۔ بڑوں کی بات بڑی ہوتی ہے ۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی زندگی میں ایسے بھی واقعات بکثرت ہوئے جو انہوں نے خود کبھی بیان نہ فرمائے۔ کبھی کسی کو کوئی واقعہ کسی وجہ سے معلوم ہو گیا تو وہ دوسروں تک پہنچ سکا۔یا خود جن صاحب کی آپ بیتی تھی انہوں نے ذکر فرمایا تو لوگوں کے کان آشنا ہوئے۔اس سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ ایثار ان کی فطری عادت تھی۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ایثار کی ایک بے مثل تقسیم جائداد کا مسئلہ بھی ہے جس کی تفصیل بہت جگہ گھیرے گی۔ مختصراً اسے بھی ذکر کرتا چلوں۔اعلیٰ حضرت قبلہ کے والد ماجد نے اپنے دوران علالت علاقے کی تقسیم کا دفعۃً ارادہ کر لیا۔اور دو موضعوں کی حقیت اپنی دونوں بیٹیوں کو دے کر باقی مسلم مواضعات اعلیٰ حضرت قبلہ کو لکھے اور پچاس پچاس روپے ماہوار ان کے دونوں بھائیوں کو ان واضعات کی آمدنی سے دینا لکھے۔وہ دونوں بھائی مولوی حسن رضا خاں اور مولوی محمد رضا خاں اعلیٰ حضرت قبلہ سے چھوٹے تھے۔عم مکرم مولوی محمد رضا خاں تو بہت کم عمر تھے۔ان دونوں میں اتنی بڑی جائداد کی تقسیم کے معاملے کو سمجھنے کا شعور بھی نہ ہوا تھا۔اعلیٰ حضرت قبلہ نے اس وقت ان دونوں کی وکالت فرمائی، مذکرہ بالا مسوّدہ جب ان کے والد ماجد نے ان کی والدہ مرحومہ کو دیا کہ وہ امن میاں (اعلیٰ حضرت قبلہ) کو دکھا لیں تو میں اسے رجسٹری کرادوں ۔والدہ صاحبہ نے وہ مسودہ اعلیٰ حضرت کو دیا، آپ نے دیکھا ، دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور چہرہ تمتمانے لگا اور فرمایا کہ اس مسودہ کی دونوں باتیں مجھے نامنظور ہیں ۔نہ مجھے اپنے بھائیوں کے حصوں کی کمی منظور ہے اور نہ میں ان کو اپنا دست نگر بنانا پسند کرتا ہوں۔میری خوشی یہ ہے کہ برابر کے تین حصے کر دیئے جائیں اور ہر ایک کا حصہ اس کے نام لکھ دیا جائے جس کا ہے۔اور اس مسودہ کو غالباً چاک کر دیا۔اعلیٰ حضرت کی والدہ ماجدہ نے ان کا یہ جواب ان کے پدر بزرگوار کو پہنچا دیا۔تو اعلیٰ حضرت کے والد ماجد نے ان کی

والدہ محترمہ سے فرمایا یہ میں جانتا ہوں کہ اس دنیا میں امن میاں دین ہی کی خدمت کریں گے اور ان کے یہ دونوں بھائی اور کچھ دنیا کما کر ان پچاس پچاس روپے میں اضافہ کر لیا کریں گے۔ جو ان کے گزارے کے لئے کافی ہوگا۔ جب اعلیٰ حضرت قبلہ کسی طرح راضی نہ ہوئے تو ان کے والد ماجد نے دوسرا مسودہ لکھا۔ اس میں کل کی آدھی جائداد اعلیٰ حضرت قبلہ کو لکھی اور بقیہ آدھی جائداد میں ان دونوں بیٹوں کو برابر کا شریک کر دیا۔ اور یہ مسودہ بھی اعلیٰ حضرت قبلہ کی والدہ ماجدہ کو دیا کہ امن میاں کو دکھاؤ اور ان سے کہہ دو کہ اب اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی۔ میں تم کو بحق پدری حکم دیتا ہوں کہ تم اسے مان لو تو جلدی ہی رجسٹری ہو جائے۔ چنانچہ وہ مسودہ رجسٹری ہو گیا۔ اور چند ہی روز بعد حضرت مولانا نقی خاں والد ماجد اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے وفات پائی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون.

ان کی وفات کے بعد اعلیٰ حضرت نے اپنی والدہ ماجدہ کو اس بات پر راضی کیا کہ آپ گھر کا نظم اس طرح کریں کہ زیادہ روپیہ پس انداز ہو اور بچت کے روپے سے دوسری جائداد خرید کر میرے دونوں بھائیوں کی جائداد میری جائداد کے برابر کریں۔ اس جائداد کے ملحقہ حصے مولانا نقی خاں صاحب کے چچازاد بھائیوں کے پاس تھے۔ وہ چار بھائی تھے۔ خرچ زیادہ اور آمدنی کم تھی، انہوں نے مقدمہ بازی شروع کر دی جس میں وہ ہارتے رہے، انہیں مقدمہ بازی کے دور میں اپنی جائداد کے حصص فروخت کرنا پڑے اور وہ حصص اعلیٰ حضرت کی والدہ ماجدہ نے خریدنا شروع کر دیئے۔ جب سے مقدمہ بازی بند ہوئی تو خریداری بھی بند ہو گئی اور یہ بھی ہوا کہ اعلیٰ حضرت اور ان کے بھائیوں کی اولادیں بڑھیں۔ رہائشی مکان ناکافی ہو گیا تو مکانات آپس میں تقسیم کر کے تینوں بھائی علیحدہ علیحدہ اپنے مکانوں میں منتقل ہو گئے۔ اب خرچ بہت بڑھ گیا۔ اس وجہ سے بھی جائداد کی خریداری روکنا پڑی، ادھر ان کے بھائیوں نے بھی دیکھا کہ اس جزرسی کی وجہ سے اعلیٰ حضرت ہی کے اخراجات میں تنگی ہو جاتی ہے انہوں نے بھی اس اسکیم کو بند کرا دیا۔ اس ترکیب سے

کافی جائداد خرید کے ان کے دونوں بھائیوں کے نام کی گئی، مگر پھر بھی ان دونوں بھائیوں کی آمدنی انفرادی طور پر اعلیٰ حضرت قبلہ کی آمدنی سے کچھ کم ہی رہی۔ ہمیں تو اعلیٰ حضرت کی ذات پر بڑا فخر ہے کہ انہوں نے میرے باپ اور چچا کو زمیندار بنایا ورنہ یہ دونوں پچاس پچاس روپئے ماہوار پاتے اور عمر بھر دنیا کی کشمکش میں پڑے رہتے۔ مگر اعلیٰ حضرت کے اخراجات دیکھتے ہوئے میرے نزدیک علاقے کی پہلی ہی تقسیم زیادہ مناسب تھی۔ ایثار کی ایسی کوئی مثال اس دور میں میری نظر سے نہ گزری۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اگر تارک الدنیا (اگر چہ وہ اسے پسند نہ فرماتے تھے) ہو کر ساری جائداد بھائیوں کو دے دیتے تو کوئی کمال نہ تھا۔ مگر دنیا میں رہ کر دنیا پر اتنی زبردست ٹھوکر جمانا انہیں کا دل گروہ تھا۔ یہ ایثار اس عمر میں کیا جس عمر میں ہر آدمی امیدوں، آرزؤں، ارمانوں، امنگوں کی رو میں بہتا ہے، اس عمر میں اسے بڑا لالچ ہوتا ہے۔ اور تحصیل زر کے سلسلے میں حلال و حرام کا امتیاز بھی نہیں کیا جاتا۔

بے نیازی

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو اگر متاع دنیا کی طرف ذرا بھی توجہ ہوتی تو وہ دولت کے انبار اکٹھے کر سکتے تھے۔ مگر اعلیٰ حضرت نے ہمیشہ دنیا پر لات ماری اور سرکار دو جہاں کی بھولی بھیڑوں کو درندوں سے بچایا حتیٰ کہ یہ گلہ بانی انہوں نے آخری سانس تک جاری رکھی اور اسی حالت میں جان دیدی۔ انہیں جو حکم تھا وہ کیا، کبھی لالچ نہ کیا، کوئی آرام نہ اٹھایا، یہ سچ ہے کہ خدائے حکم سے خلق خدا کے واسطے مرنا بہت آسان ہے کہنا مگر کرنا بہت دشوار ہے۔ خدا کی قسم اس بندۂ خدا نے اس دور ناہنجار میں صرف اپنوں کو نہیں بلکہ غیروں کو بھی مر کے دکھا دیا۔ وہ جفر ریاضی یا سائنس کی طرف توجہ کرتے، یا درسی کتابوں کی شروح و حواشی لکھتے تو وہ اس تجارت اور اپنی قابلیت کی بدولت دنیا پہ چھا جاتے اور دولت بھی ان پر امنڈ آتی، تقاضائے بشریت بھی یہی تھا کہ اس دنیا میں خوب دولت کمائی جائے، وہ یہ سب کچھ کر سکتے تھے مگر اپنی

فطرت اور خداوندی مصلحت کی وجہ سے مجبور تھے۔ جوان کی مجددیت کے لئے رب العزت نے بنادی تھی، اور قدرت کے فیاض ہاتھوں نے انہیں اس منصب جلیل کی ساری نشانیاں بھی ودیعت فرمادی تھیں جو ایسی نمایاں تھیں کہ کسی مخالف کے لئے بھی ان میں انکار کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی تھی۔ بلکہ مجددیت کی ایک خاص نشانی کی وجہ سے بعض مخالفین کو ان کی ذات پر بڑا ناز تھا۔ اس وقت اگر یہ سوال اٹھتا کہ دنیا کی کسی قوم میں کوئی ایک ایسا شخص پایا جاتا ہے کہ جس میں دنیا بھر کے علوم جمع ہو گئے ہوں تو وہ مخالف سب سے پہلے بولتے۔ وہ مسلم قوم کا نام لیتے اور اعلیٰ حضرت قبلہ کی ذات کو اس شخص واحد کی مثال میں پیش کرتے۔

كَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ

اعلیٰ حضرت قبلہ ہر شخص سے اس کی سمجھ کے موافق بات چیت کرنے کی مہارت رکھتے تھے۔ وہ ہر شخص سے اس کی سمجھ کے موافق بات چیت کرتے تھے۔ ایسے موقع پر ان کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلے وہ ان کے ہر مخاطب کے دل میں اتر گئے۔ اس واسطے کہ انہیں اپنی بلند سطح سے ہر شخص کی سطح پر اتر کر بات چیت کرنے کا پورا ملکہ تھا۔ اور ارشاد سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پورے عامل تھے سرکار فرماتے ہیں:

كَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ

لوگوں سے انکی سمجھ کے موافق بات چیت کرو۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ محبّ اللہ خاں صاحب مرحوم (جو بہت غریب تھے اور بڑے اکھٹر پٹھان تھے) بڑے نمازی تھے سوداگری محلّہ میں رہتے تھے۔ وہ کبھی اعلیٰ حضرت قبلہ کی ملازمت کرتے تھے اور کبھی وہاں سے ناراض ہو کر حلوائی کا خوانچہ لگا لیتے تھے۔ یوں ان کی گزر اوقات تھی۔ وہ ایک مرتبہ ظہر کی نماز پڑھنے مسجد میں داخل ہوئے اور انہوں نے سنتوں کی نیت کی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اس وقت وظیفہ پڑھ رہے تھے۔ وہ اپنے وظیفے میں دوسرے نمازیوں کی نگرانی فرماتے تھے کہ وہ کس طرح نماز ادا کر رہے ہیں

محبّ اللہ خاں صاحب کو اعلیٰ حضرت قبلہ نے دیکھا کہ وہ رکوع میں اوپر کو سر اٹھائے ہوئے جانب قبلہ دیکھتے رہتے ہیں۔ جب انہوں نے سلام پھیرا تو اعلیٰ حضرت قبلہ نے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ رکوع میں آپ سر اٹھائے آگے کو کیوں دیکھتے ہیں۔ وہ بولے تو کیا میں رکوع میں کعبہ سے منہ پھیرلوں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ سجدہ آپ کیا ٹھوڑی پر کرتے ہیں؟ اس واسطے کہ پیشانی زمین پر رکھنے سے کعبہ سے منہ پھر جاتا ہے، اس پر وہ سناٹے میں رہ گئے، مگر اس نماز کے بعد انہوں نے رکوع میں حسب ہدایت پاؤں کی انگلیوں پر نظر رکھی۔ منہ اٹھا کر سامنے کی طرف نہ دیکھا۔

یہ مسئلہ انہیں اگر مسئلہ کے طور پر سمجھایا جاتا تو وہ نہ سمجھ سکتے تھے اور اپنے بنائے ہوئے اصول کو ہرگز نہ چھوڑتے، مگر اعلیٰ حضرت قبلہ کے اس معارضہ نے ان کے خود ساختہ اصول کو درہم برہم کردیا، اور اس معاملے میں ان کے دماغ کی کایا پلٹ دی۔

حاضر جوابی

اعلیٰ حضرت قبلہ کی حاضر جوابی خصوصاً ایسے رموز و نکات میں انتہائی حیرت انگیز تھی۔ اور مہارت کسی خاص علم و فن کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ ہر علم و فن کے مشکلات فی البدیہ حل فرما دیتے تھے۔ اس سے تاریخ گوئی کے موقع پر یہ یقین ہو جاتا تھا، عموماً جب کوئی شخص کسی کی زبان سے کوئی بات توجہ سے سنتا ہے تو اس کے دماغ میں جس طرح ان الفاظ کے معانی آتے ہیں اسی طرح اعلیٰ حضرت قبلہ کے عالی دماغ میں ان معانی کے اس کے جواب کے الفاظ آتے تھے، اور وہ بوقت ضرورت بقاعدۂ ابجد ان الفاظ کے جو اعداد ہوتے وہ بھی آتے تھے ورنہ فی البدیہ کسی مسئلہ کا جواب دے دینا ممکن ہی نہ تھا۔ یا یہ کہ ہر موقع پر ان کی زبان کسی ملکوتی قوت کے اقتدار میں حرکت کرتی تھی جہاں سہو و نسیاں کا گویا گزر ہی نہیں ہوتا تھا۔ ان کا ہر جواب ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بڑے غور و تأمل کے بعد دیا گیا ہو۔ اس لئے ان کی فی البدیہ گفتگو پر بھی کبھی کوئی گرفت آج تک نہ ہو سکی۔ لوگ ان کا منہ ہی تکا کرتے۔ ان کے

زمانے میں کسی علم پر کسی صاحب کا ایسا عبور سنا بھی نہ گیا جو ہر علم فن پر یہاں روز وشب دیکھا گیا۔ان کی ساری عمر مبارک اسی میں صرف ہوئی۔مگر اس پوری زندگی میں یہ الفاظ ان کی زبان مبارک سے کسی نے نہ سنے کہ اس سوال کا پھر کسی وقت جواب دوں گا۔اور نہ الفاظ جواب میں کبھی کوئی لفظ شک کا استعمال کیا۔مخالفین کو بھی ان کی اس برتری کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔

انگریز اور اس کی عدالت سے نفرت

اعلیٰ حضرت قبلہ انگریز اور اس کی کچہری سے سخت متنفر تھے۔یہ بات عام طور پر بہت مشہور تھی۔مخالفین کو اعلیٰ حضرت قبلہ کو پریشان کرنے کا یہ ہی پہلو بہت پسند آیا۔پہلے بریلی کے وہابیوں نے اعلیٰ حضرت قبلہ کے خلاف ایک وہابی طالب علم سے حبس بے جا کا دعوی دائر کرا دیا۔اس وقت اکبر علی برادر حقیقی مولوی اشرف علی تھانوی بریلی کی چنگی میں سکریٹری تھے۔انہوں نے بھی خوب ہوا دی۔اعلیٰ حضرت قبلہ کی ہمدردی کے لئے صرف محمد فاروق صاحب کوتوال شہر تھے۔ان کی ایک بات پر خدا نے مقدمہ بلا حاضری کچہری خارج کر دیا۔چند روز کے بعد بدایوں والوں نے ایک وکیل کے محرر سے لائبل کیس چلوایا اور رفتہ رفتہ سارا بدایوں اس میں شریک ہو گیا۔بجز دو تین معزز خاندانوں کے سبھی خلاف تھے۔اور اعلیٰ حضرت کی کچہری کی حاضری کے لئے سخت کوشاں تھے۔اسکا سرکار دو جہاں کے صدقے میں رب العزت نے خود انتظام فرمایا۔خدا کے کام تو اسی شان کے ہوتے ہیں۔یہ ہم جانتے ہیں کہ لڑائی صرف کچہری تک جانے کی تھی مگر اس وقت سے بہت تیز ہو گئی تھی جس وقت سے اعلیٰ حضرت قبلہ نے فرما دیا تھا کہ احمد رضا کی خدا چاہے جوتی بھی کچہری نہ جائے گی۔

مولوی حشمت اللہ صاحب رضوی اس وقت فتح گڑھ میں جنٹ مجسٹریٹ تھے۔وہ مقدمے کی پہلی تاریخ کو بدایوں آئے تو اعلیٰ حضرت کی طرف سے مقدمے کی کوئی خاص

پیروی نہ ہو رہی تھی، مولوی حشمت اللہ صاحب کی پنشن کا زمانہ قریب آ چکا تھا تو انہوں نے بدایوں سے فتح گڑھ پہنچکر پنشن کی درخواست دے دی اور چھٹی لے کر مستقل بدایوں آ گئے ۔ کیونکہ وہ ملازمت سے پہلے وکالت پاس کر چکے تھے ۔ لہذا انہوں نے اس مقدمے کی پیروی اپنے ہاتھ میں لے لی ۔ انہوں نے مقدمہ خوب لڑایا ۔ اعلیٰ حضرت کے پہلے سمن آئے اس کے بعد حاضری وارنٹ آتے رہے، یہ سلسلہ مہینوں جاری رہا ۔ مقدمے میں دیگر ملزمان مولوی محمد رضا خاں صاحب برادر خورد اعلیٰحضرت قبلہ، مولانا حامد رضا خاں صاحبزادۂ کلاں اعلیٰ حضرت قبلہ، صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب شاگرد رشید و خلیفۂ اعلیٰ حضرت قبلہ، حاجی شاہد علی خاں صاحب ہمشیر زادہ اعلیٰحضرت قبلہ ۔ یہ چاروں حضرات ہر پیشی پر جاتے رہے مقدمہ لڑتا رہا ۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کی حاضری کے لئے مخالفین کی کوششیں جاری رہیں ۔ مولوی حشمت اللہ صاحب جنٹ مجسٹریٹ اور نواب حامد علی خاں صاحب والی رام پور کے مراسم تھے ۔ وہ نواب صاحب رام پور سے ملنے گئے ۔ نواب حامد علی خان صاحب نے اس مقدمہ کا حال پوچھ لیا ۔ تو انہوں نے بتایا کہ کچہری کی حاضری کی لڑائی ہے ۔ اعلیٰ حضرت اتفاقاً جانا نہیں چاہتے اور مخالفین انہیں حاضر کرانا چاہتے ہیں ۔ نواب صاحب نے از خود کہا کہ مٹن صاحب گورنر پرسوں میرے یہاں دعوت میں آ رہے ہیں اور کمشنر صاحب بریلی بھی مدعو ہیں ۔ میں گورنر اور کمشنر صاحب سے خود کہوں گا ۔ چنانچہ جب گورنر دعوت میں رام پور پہنچے تو نواب صاحب والی رامپور نے اعلیٰ حضرت قبلہ کے مقدمہ کا قصہ گورنر سے کہا ۔ گورنر نے کمشنر کی طرف دیکھا ۔ کمشنر نے کہا کہ بریلی میں بھی اس مقدمے بازی کی بڑی ہل چل ہے ۔ اس مقدمے سے بریلی پبلک میں عام بیزاری پھیلی ہوئی ہے ۔ اگر حکم ہو تو مولوی احمد رضا صاحب کو کچہری کی حاضری سے مستثنیٰ کر دیا جائے ۔ چنانچہ بریلی آ کر اس نے کلکٹر بریلی کو مستثنیٰ کر دینے کا حکم دے دیا ۔ اس کے بعد مقدمے کے دیگر ملزمان کے سمن تھے اور اعلیٰ حضرت قبلہ کا وارنٹ نہ تھا، اس کی گھر والوں کو پوری اطلاع کئی روز بعد میں ملی کہ استثنیٰ کی

تحریک دربار رام پور سے چلی تھی۔ یہاں آ کر اس پر عمل درآمد ہو گیا۔ یہ تھی وہ تائید غیبی کہ اہل معاملہ بے خبر ہیں۔ اور خداوند عالم دوسروں سے کام لے رہا ہے۔ اس تائید غیبی نے ہر معاملہ میں ان کا ساتھ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر معاملہ میں ان کے حاسد دشمنوں کو انجام پر ندامت ہی نصیب ہوئی کوئی مخالف انجام کار سے خوش نہ ہو سکا۔ اور خود انہوں نے ان معاملات سے کوئی خاص دلچسپی نہ لی۔ اہل اللہ کی یہی شان ہوتی ہے۔ اور ان کے اہم معاملات میں قدرتی طور پر ہمیشہ مردے از غیب بیرون آید و کارے بکند کا مظاہرہ ہو کر رہتا ہے۔

کچہری جانا آج کل کوئی معیوب فعل نہیں رہا، اور مجبوری کے وقت بڑے بڑوں کو کچہری جانا پڑتا ہے، مگر یہاں تو عہد شکنی جیسا معاملہ ہو جاتا۔ تو رب العزت نے ان کے عہد کو بدستور باقی رکھا۔ اور دنیا کو دکھا دیا کہ احمد رضا خاں میرے ان لاکھوں کروڑوں بندوں میں سے ہیں جن کی نسبت میرا پیارا رسول فرما چکا ہے۔

لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَ بَرَّہٗ

کہ خدا کے بھروسے پر وہ قسم کھائے تو وہ قسم اللہ پوری کر دے

چنانچہ ہوا وہی کہ ان کی جوتی بھی کچہری نہ گئی اور مقدمہ خارج ہو گیا۔ جب مقدمہ اعلیٰ حضرت کے بغیر کچہری جائے خارج ہو گیا تو بریلی والوں نے مبارکیاں بھیجنا شروع کیں۔ ان میں چند مبارکیاں بڑے جلوس کے ساتھ آئیں۔ جن میں نعت خواں حضرات کی ٹولیاں، نعت و منقبت کے نغموں کے ساتھ شہر کا گشت کرتی ہوئی آئیں۔ اس واسطے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ چند روز سے نو محلہ کی کوٹھی کے متعلقہ مکانوں میں مع گھربار کے تشریف فرما تھے۔ مبارکیوں کے سارے جلوس نو محلہ ہی جاتے رہے اور مبارکباد کا یہ سلسلہ کم وبیش ایک ماہ تک جاری رہا۔ شروع میں مبارکیاں بھی زیادہ آئیں اور جلوس بھی بڑے آئے مگر پھر کم ہوتے چلے گئے۔ مبارکیوں کے سلسلے کے دوران بریلی میں بڑا جشن منایا گیا۔ ہر مبارکی میں مٹھائیوں کی بہتات رہی۔ بعض مبارکیوں میں اسی اور نوے تک مٹھائی

کے خوانوں کی تعداد پہنچ گئی۔ ہر مبارکی میں کافی لوگ شریک ہو جاتے تھے۔ تو مٹھائیوں کی مقدار بڑھ جاتی تھی۔ تین مبارکیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک سوداگری محلّہ کی اور دوسری مداح الحبیب مولوی جمیل الرحمٰن خاں مرحوم کی اور تیسری پرانے شہر سے جو نواب خاندان والوں کی قیادت میں گئی تھی اس میں ان کے محلّہ والے جن میں سقہ صاحبان بھی شریک تھے۔

لوگوں کا تو یہ کہنا تھا یہ شاندار مبارکیاں کسی بادشاہ کے دور میں بھی نہیں ہوئیں۔ سب سے زیادہ پر لطف چیز مسرت کا ہجوم تھا کہ جسے دیکھو شاد و خرم چلا آ رہا ہے۔ مٹھائیوں کی تقسیم بھی ایک بڑا کام تھا جو کیا گیا تو ہو گیا۔

عتاب و کرم

اعلیٰ حضرت قبلہ کے خلیفۂ اعظم حضرت مولانا عبدالسلام صاحب کئی سال سے اعلیٰ حضرت کو جبلپور بلا رہے تھے۔ ہر سال اصرار بڑھتا جاتا تھا۔ ۱۳۳۶ھ میں بھی پہلے خطوط آئے پھر قاصد آئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے صاحبزادے مولانا برہان الحق صاحب کو ساتھ لانے کے لئے بریلی بھیج دیا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ اپنی دینی مصروفیتوں کی وجہ سے سفر سے ہمیشہ بچتے رہے۔ اس مرتبہ ایسے سخت اصرار سے یہ سفر کرنا ہی پڑا۔ وہاں بلاوا تو اعلیٰ حضرت قبلہ کے ساتھ بہت سے لوگوں کا تھا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا سارا گھرانہ اور ان کے سارے خدام اور دار الافتاء کا سارا عملہ، یہ سب آدمی مدعو تھے۔ ان کی خوشی اہلیان جبلپور کو اپنے شیخ کی روزانہ زندگی دکھانا تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ مراد پوری کر دی۔ انہوں نے ایک ماہ تک روکا اور ایسی شاہانہ مہمان داری کی جو مدت العمر فراموش نہیں ہوگی۔ جبل پور میں جب پہلا جمعہ آیا تو اعلیٰ حضرت قبلہ کے غسل کے لئے کمرے میں پانی رکھا گیا۔ اور ایک

---

[1] صحیح بخاری شریف ج ۲ ص ۸۹۷، و ۹۸۵، اصح المطابع دہلی ۱۱۲۰ان

جوڑا کپڑے حاجی کفایت اللہ صاحب مرحوم نے لاکر پیش کئے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے کرتہ کھول کر دیکھا تو کسی قدر پھٹا ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے وہ پھٹا کرتہ دیکھ کر حاجی صاحب کو دکھایا اور فرمایا آج جمعہ کے دن یہ پھٹا کرتہ پہناؤ گے۔ حاجی صاحب وہ کرتہ لے گئے اور دوسرا کرتہ لاکر پیش کر دیا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے اس کرتہ کو دیکھا تو کوراضرور تھا مگر اس میں بوتام ندارد تھے۔ اس حرکت پر اعلیٰ حضرت کو جلال آ ہی گیا۔

ارشاد فرمایا کہ یہ حاجی، یہ حاجی میرا مرنے کے بعد بھی پیچھا نہ چھوڑے گا۔ آواز کسی قدر کرخت تھی جو دوسرے کمروں میں بھی سنی گئی۔ اب سننے والوں نے اعلیٰ حضرت قبلہ کے ان الفاظ پر تبصرہ شروع کیا، کسی نے کہا کہ اس ارشاد کا مطلب کیا ہے، بعض احباب نے کہا کہ یہ غصہ کی بات ہے جو کسی مقصد سے نہیں کہی گئی۔ نہ کسی آنے والے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ مجھے ان کی غیظ وغضب اور پریشانی کی باتوں کا پہلے سے کسی قدر اندازہ تھا۔ اس لئے میں اس جملہ کا یہ مطلب سمجھا اور میں نے کہہ بھی دیا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کا وصال پہلے ہوگا اور حاجی صاحب مجاور بن کے بیٹھیں گے۔ اس واسطے کہ ان کی ایسے وقت بھی کوئی بات بے معنی نہ دیکھی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اعلیٰ حضرت کا ۱۳۴۰ھ میں جب وصال ہوا تو حاجی صاحب زندہ موجود تھے اور اعلیٰ حضرت قبلہ کی خدمت میں مصروف تھے۔ یہ بھی دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ مجاور بن کے بیٹھ بھی گئے مگر اس بات کی گہرائی اور اس کا پورا مفہوم برسوں کے بعد منظر عام پر آیا جب کہ حاجی صاحب نے اپنی وفات سے کچھ قبل صاحبزادگان وخلفاء اور مخلصین اعلیٰ حضرت سے احاطہ درگاہ رضویہ میں اپنے دفن ہونے کی تحریری اجازت مانگی۔ مخالفت تو درکناران مذکورہ بالا حضرات نے ان کی تائید میں نہ صرف اجازت نامے بلکہ مضامین لکھے جو حاجی صاحب نے کتابی صورت میں چھپوا کر تقسیم بھی کر دیئے۔ شہر کے اندر دفن ہونے کے لئے چیرمین سے اجازت لینا ہوتی ہے تو ان کی درخواست پر چیرمین نے بھی فوراً منظوری دے دے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے پائیں کی طرف

ایک حجرے میں انہوں نے اپنی قبر بھی کھدوادی۔ یہ کام جب مکمل ہو گئے تو عزرائیل علیہ السلام نے حاجی صاحب کی روح بھی مزار شریف سے دو ڈھائی گز کے فاصلے پر خاص پائیں اعلیٰ حضرت قدس سرہ میں قبض فرمائی۔اور حاجی صاحب اپنی تیار کردہ قبر میں آرام سے جا سوئے۔یہ سب کام بڑی آسانی سے ہوتے چلے گئے۔کہیں رکاوٹ نہ ہوئی۔انہیں دفن کر کے خیال آیا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کے جبلپور والے ارشاد کا یہ مطلب تھا کہ یہ حاجی مرنے کے بعد بھی میرا پیچھا نہ چھوڑے گا۔اب اعلی حضرت قدس سرہ کے عتاب آمیز الفاظ دیکھئے اور حاجی صاحب کی قبر کو دیکھئے غور تو فرمایئے کہ اول تو حاجی صاحب کو درگارہ میں دفن ہونے کا خیال ہی کیوں پیدا ہوا۔پھر صاحب زادگان و دیگر حضرات نے بجائے مخالفت کے تائید کیوں کی، چیرمین صاحب نے بجائے نہ منظوری کرنے کی قبر کی منظوری کیوں دی، وہ بھی قبل از وقت۔یہ سب کچھ اگر اتفاقیہ ہو چکا تھا تو عزرائیل علیہ السلام کو وہیں قبض روح کا حکم ملا کسی دور دراز مقام میں اگر روح قبض کا حکم ہو جاتا تو ان الفاظ کا منشا پورا نہ ہوتا۔نہ حاجی صاحب کی مٹھی مراد برآتی۔رب العزت اپنے خاص بندوں کا یوں ہی بول بالا کرتا ہے۔مجھے اعلیٰ حضرت قبلہ کے غم و غصہ کے اور بھی الفاظ یاد ہیں جن کو رب العزت نے پورا ہی کیا۔مگر اس کتاب میں اس کی گنجائش کہاں؟۔
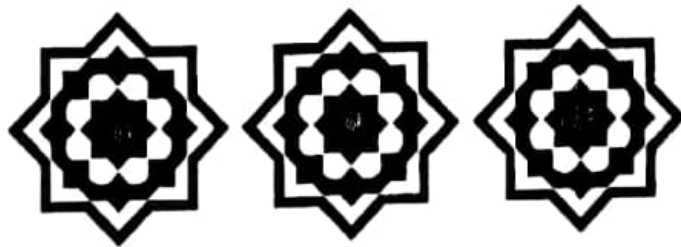
پانچواں باب

عقیدت ومحبت

امام احمد رضا اور اولیائے امت

اعلیٰ حضرت قبلہ کو اولیائے کرام کی خدمت میں حاضر ہونے کا بڑا شوق تھا۔ان کے ابتدائے شباب میں ایک بڑے معمر بزرگ میاں بشیر الدین صاحب اخون زادے کی مسجد کے حجرے میں رہتے تھے۔آپ کی خواہش تھی کہ میں کسی طرح ان سے تنہائی میں ملوں، والدہ صاحبہ کا حکم تھا کہ تم کہیں جاؤ تو ملازم کے ساتھ جاؤ، ایک روز رات کو بعد عشاء آپ موقع پا کر اخون زادے کی مسجد میں پہنچ گئے۔مسجد خالی تھی، میاں بشیر الدین صاحب حجرے کے آگے ایک چارپائی پر بیٹھے تھے۔آپ سلام علیکم کر کے صحن مسجد میں بیٹھ گئے۔ میاں بشیر الدین صاحب اعلیٰ حضرت کے دادا مولانا رضا علی خاں صاحب کے ہم عصر رہ چکے تھے اور ان کے ملنے والوں میں سے تھے۔اعلیٰ حضرت سے انہوں نے دریافت فرمایا کہ کیا مقدمے کے بارے میں آئے ہو۔اس وقت اعلیٰ حضرت قبلہ اور ان کے بھائیوں کی جائداد پر دادا صاحب قبلہ کے چچیرے بھائیوں سے ایک مقدمہ بھی چل رہا تھا۔انہوں نے عرض کیا نہیں، انہوں نے دریافت فرمایا کہ مولانا رضا علی خاں صاحب کے تم کون ہو ؟عرض کیا میں ان کا پوتا ہوں، وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا جب ہی تو ''بوئے یارمی آید'' اور گلے سے لگالیا۔اپنی چارپائی پر بٹھالیا اور دریافت فرمایا اب تو بتاؤ کیا کام ہے ۔اعلیٰ حضرت نے عرض کیا دعائے مغفرت چاہتا ہوں۔وہ دیر تک فرماتے رہے: اللہ تم پر اپنا کرم کرے۔ان کے بعد کے لوگوں میں ایک دوسرے مجذوب بزرگ ہوئے جو دھوکا

شاہ صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ان کو میں نے بھی اپنے بچپن میں خود اعلیٰ حضرت قبلہ کے پاس آتے جاتے دیکھا ہے۔

علمائے کرام کی عقیدت

جب اعلیٰ حضرت قبلہ ابتدائے شباب میں علماء کی صف میں آئے تو ان حضرات نے "بڑی عزت ومحبت سے لیا۔حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب قبلہ گنج مرادآبادی سے لکھنؤ میں جب اعلیٰ حضرت کا سامنا ہوا تو انہوں نے انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا اور وفور محبت میں اعلیٰ حضرت قبلہ سے ٹوپی بدلی جو ہمارے یہاں تبرکا محفوظ تھی۔حضرت مولانا عبد السمیع صاحب سہارنپوری مصنف انوار ساطعہ کو بھی اعلیٰ حضرت قبلہ سے بڑی محبت تھی، ان کا خاندان اب بھی اعلیٰ حضرت کے خاندان سے ان پچھلے مراسم کو زندہ کئے ہوئے ہے ۔حضرت مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی سے بھی اعلیٰ حضرت قبلہ کے تعلقات تھے۔یہ عمر میں بڑے تھے، اعلیٰ حضرت قبلہ کا شباب ہی تھا جب ندوہ ابھرا۔سب سے پہلے ان ہی دو حضرات نے اس کا مقابلہ کیا۔

علمائے اہل سنت جو اس وقت ندوہ میں شامل تھے علیحدہ ہو گئے ۔یہ دونوں حضرات یک جان دو قالب مشہور تھے۔حضرت سیدنا ومولانا شاہ ابوالحسین صاحب عرف نوری میاں صاحب مارہروی اعلیٰ حضرت قبلہ کے پیرزادے اور مارہرہ شریف کے صاحب سجادہ تھے۔انہیں بھی اعلیٰ حضرت قبلہ سے بڑی محبت تھی ۔وفور محبت میں انہوں نے اعلی حضرت قبلہ کو "چشم و چراغ مارہرہ" کا معزز خطاب عطا فرمایا تھا۔حضرت سیدنا شاہ علی حسین صاحب قبلہ کچھوچھوی جو سیدنا غوث پاک کی شبیہ مشہور تھے ان کی بزرگانہ شفقت ومحبت تو آنکھوں دیکھی ہے ۔ان کا وصال اعلیٰ حضرت قبلہ کے بعد ہوا ہے۔حضرت مولانا ناصر صاحب صابری ساکن رام پور منہاران ضلع سہارنپوران کو اعلیحضرت سے اور اعلیٰ حضرت کو ان سے بڑی محبت تھی۔ یہ حضرت اعلیٰ حضرت قبلہ کی درازئ عمر کے لئے اپنے وعظوں میں

اکثر دعا کرتے، صاحب نسبت بزرگ تھے، کبھی دوران تقریر میں جذب کا بھی غلبہ ہو جاتا تو سامعین بھی متاثر ہونے لگتے۔ اعلیٰ حضرت کے حاشیہ کے علماء اور ان کے تلامذہ کا کہیں کہیں نام آ گیا ہے۔ ان کی تفصیل کے لئے یہ کتاب ناکافی ہے۔ مگر میں حضرت مولانا سید احمد اشرف صاحب کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے متعلق اتنا ضرور عرض کروں گا کہ وہ اعلیٰ حضرت کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ان جیسا شیریں بیان واعظ پھر نہ دیکھا۔ انہوں نے تھوڑی سی عمر میں دین کی بڑی خدمتیں انجام دیں۔ جوانی میں وصال فرمایا، اعلیٰ حضرت انہیں اکثر یاد فرماتے تھے، حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب فرنگی محلی اور مولانا محمد حسین صاحب الہٰ آبادی گو یہ دونوں حضرات عمر میں اعلیٰ حضرت قبلہ سے زیادہ بڑے تھے مگر ان دونوں حضرات نے خود کو اعلیٰ حضرت قبلہ کے دوستوں ہی کی صف میں شمار کیا، چنانچہ ان کے ہر دو صاحبزادگان نے اس خوردی و بزرگی کو برابر قائم رکھا۔ مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی اور مولانا ولایت حسین الہٰ آبادی یہ دونوں صاحب اعلحضرت قبلہ سے جب ملے خورد ہی ہو کر ملے۔ مولانا فاخر صاحب الہٰ آبادی سے بھی خصوصی تعلقات تھے مگر جب وہ خلافت کمیٹی میں چلے گئے تو بے تعلقی ہو گئی، اس پر بھی وہ اعلیٰ حضرت کے وصال کے دن دوران سفر میں وصال کی خبر سن کر بریلی اتر پڑے اور دن بھر شریک رہے۔ دفن کے بعد تشریف لے گئے۔

محدث سورتی سے محبت اور شاہ جی شیر میاں

پیلی بھیت کا شہر اور اس کا ضلع اعلیٰ حضرت قبلہ کے محبین و مخلصین سے بھرا پڑا تھا۔ مگر ان کا دلی جذبہ انہیں حضرت محدث صاحب قبلہ اور پھر حضرت شاہ محمد شیر میاں صاحب کی طرف لے جاتا تھا اور وہاں اس وقت یہ ہی دو بزرگ ایسے تھے جن کی بدولت پیلی بھیت جیسے چھوٹے شہر کی شہرت ہندوستان کی حدود سے نکل کر دوسرے اسلامی ملکوں میں پہنچ چکی تھی۔ غرضیکہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اپنی خوشی سے اگر جاتے تھے تو پیلی بھیت جاتے

تھے۔ اور محدث صاحب قبلہ بھی جب بریلی تشریف لاتے تو مسکراتے ہوئے اعلیٰ حضرت کے پھاٹک میں قدم رکھتے تھے۔ محدث صاحب کے آستانہ رضویہ پر پہنچتے وقت کی مسرت بارہا دیکھی اور محسوس کی ہے۔ حضرت محدث صاحب قبلہ کا وصال اعلیٰ حضرت قبلہ کے وصال سے چھ برس پہلے ہوا، وہ پیلی بھیت میں جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حکیم عابد علی کوثر کے پاس سیتاپور بغرض علاج چلے گئے، جب وہاں افاقہ نہ ہوا تو اصرار فرما کر بریلی آگئے ۔ یہاں غالباً مہینہ بیس روز رہے، حالت یہ تھی کہ اکثر اوقات شدت مرض یا انتہائی کمزوری کے سبب سے غشی طاری رہتی، دوا، نماز، غذا اور فراغ حاجت کے لئے بیدار کئے جاتے تو ہوش ہوتا مگر اس حالت میں بھی حدیث کا درس جاری رہتا۔ حدیث کا سبق بند نہ ہوتا۔ اس کے لئے سخت حکم تھا کہ جب مولوی عبد السلام آئیں تو مجھے ضرور بیدار کر کے گاؤ تکیہ کے سہارے بٹھا دو۔ یہ مولوی عبد السلام حضرت صدر الشریعہ کے بھتیجے تھے اور محدث صاحب قبلہ کے آخری شاگرد تھے انہوں نے محدث صاحب سے مطالب حدیث کا آخری جملہ تک پڑھا ہے۔ ان کا بھی عین شباب میں چند ہی روز کے بعد انتقال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

پڑھانے کی شان یہ تھی کہ محدث صاحب گاؤ تکیہ کے سہارے بٹھا دیئے جاتے اور مولوی عبد السلام صاحب ترمذی شریف کی عبارت پڑھنا شروع کرتے تو جتنی جتنی یہ عبارت پڑھتے ایک آدمی شانے پکڑے بیٹھا رہتا، محدث صاحب بیان فرماتے۔ اس وقت دیکھنے والے کو محدث صاحب کے ایسے شدید مرض اور کمزوری میں مبتلا ہونے کا گمان بھی نہ ہوتا، اور جیسے ہی سبق ختم ہوا تو انہیں لٹانے کے لئے دو آدمی درکار ہوتے۔ میں نے کئی روز یہ ان کی زندہ کرامت بتوسط حدیث اور اعجاز سرکار رسالت اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ میں اول سے آخر تک محدث صاحب کا منہ تکتا اور یہ سمجھنے کی کوشش کرتا کہ ماجرا کیا ہے، بالآخر یہ ماننا پڑا کہ حدیث شریف ان کی غذاء اور روح ہو گئی ہے، اندازہ تو یہ ہوتا تھا کہ محدث صاحب

بریلی میں دفن ہونے کے ارادے سے آئے تھے مگر ان کے پسماندگان انہیں اسی حالت میں پیلی بھیت لے گئے، کمزوری انتہاء کو پہنچ چکی تھی، وہاں جاکر وصال ہوگیا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے جنازے میں شرکت کی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

اعلیٰ حضرت قبلہ نے ان کے وصال کے پانچ چھ سال بعد ان کی تاریخ وصال لکھی ہے۔ وہ بھی یوں کہ اپنے وصال سے چار ماہ بائیس روز قبل جبکہ علالت کی وجہ سے بھوالی پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ اس وقت اپنی تاریخ وصال حسب ذیل آیۂ کریمہ سے نکالی۔

ویطاف علیهم بانیةٍ من فضة و اکواب

اس آیت کے پہلے حرف "وٓ" اس طریقہ سے علیحدہ دکھا کے تحریر فرمایا کہ اب محدث صاحب پیلی بھیتی کی تاریخ وصال ہوگئی۔ یہ آیۂ کریمہ اسی تصریح کے ساتھ اب بھی ایک رجسٹر میں موجود ہے جس میں اور بہت سی یادداشتیں ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اپنی تاریخ وصال لکھتے وقت خیال آیا ہوگا کہ اب تک محدث صاحب کی تاریخ وصال نہ لکھی گئی، تو فوراً علم غیب نے بتادیا کہ ایک واؤ کی کمی سے یہی آیت ان کی تاریخ وصال بنتی ہے۔ اس واسطے کہ واؤ کی کمی سے ٦ عدد گھٹے تو ۱۳۴۰ھ سے ٦ برس پہلے ۱۳۳۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ شدۃ اتصال کی بھی کوئی حد ہے کہ ایک ہی آیۂ کریمہ میں دونوں کی تاریخ وصال ہے۔ اور قرآن پاک کی ایک ہی بشارت میں دونوں شریک ہیں۔ سبحان اللہ، اولیاء اللہ کی یہ شان ہے۔

حضرت شاہ جی میاں صاحب سے بے حد پیار تھا۔ انہوں نے وصال کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ ہمارے انتقال کی اطلاع ہمارے مولوی صاحب کو فوراً دے دینا۔ چنانچہ جس رات میں شاہ جی میاں صاحب کا انتقال ہوا اس کی صبح کو پہلی گاڑی سے ایک صاحب اعلیٰ حضرت کو اطلاع دینے کی غرض سے بریلی کو چل پڑے۔ یہاں اعلیٰ حضرت

قبلہ نے فجر کے فرضوں کے بعد ہی مجھے حکم دے دیا تھا کہ جلدی موٹر لاؤ میں پیلی بھیت جاؤں گا۔ میں فوراً اپنے ایک دوست کے یہاں پہنچا اور ان سے جلدی موٹر تیار کرنے کو کہا ،اور یہ بھی بتا دیا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کو پیلی بھیت جانا آنا ہے، انہوں نے اپنے مختار عام کو روپے دیئے اور کہا کہ فوراً موٹر میں بیٹھ کے پٹرول ڈلوالا یئے ،اتنے میں ہم دونوں نے ناشتہ کیا کہ موٹر آ گئی اور میں جیسے ہی موٹر سے سوداگری محلہ اترا ہوں حاجی کفایت اللہ صاحب سامان سفر موٹر میں رکھنے لگے، مجھ سے کہا کہ گھر میں اطلاع کر دیجئے ،حضرت تیار ہی بیٹھے ہیں، میں نے خود عرض کیا کہ موٹر آ گئی ہے، اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت قبلہ فوراً باہر تشریف لائے ،موٹر میں بیٹھے اور روانہ ہوئے ، یہ سب کچھ ہو گیا مگر سمجھ میں کسی کی نہ آیا کہ روانگی میں اس قدر عجلت کیوں برتی گئی، جب ایک گھنٹے کے بعد ایک صاحب پیلی بھیت سے حضرت شاہ جی میاں صاحب قبلہ کے انتقال کی اطلاع دینے یہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ عجلت کی یہ بات تھی، ان سے کہا گیا کہ اعلیٰ حضرت یا تو دیواندی کے پل سے گزر رہے ہوں گے یا پیلی بھیت پہنچ گئے ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ میں پہلا آدمی ہوں جو شاہ جی میاں صاحب کے انتقال کی خبر دینے بھیجا گیا ہوں ،انہیں پہلے کس نے اطلاع دے دی؟ کسی نے کہا کہ شاہ جی میاں صاحب قبلہ خواب میں کہہ گئے ہوں گے۔ یا یہ ماننا ہی پڑیگا کہ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ

مجاذیب سے محبت

یہ دیکھا گیا ہے کہ جو مجاذیب غرق لگا کر سارے شہر کا دورہ کرتے تھے وہ اس حالت میں اعلیٰ حضرت قبلہ کے سامنے پڑنے سے بہت بچتے تھے۔ دنیا میاں مجذوب پیلی بھیت کے ایک ہندو سنار کے لڑکے تھے۔ امی محض تھے، اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی جگہ یہ ہوئے تو روزانہ ہار پیش کرنے کی خدمت حضرت شاہ جی میاں صاحب کی خدمت میں اپنے باپ کی جگہ انہوں نے اپنے ذمے لے لی۔ شاہ جی میاں قبلہ کو ان کے باپ کے

مرنے اور اس کی جگہ ان کے ہار پھول پیش کرنے کی کچھ دنوں خبر ہی نہ ہوئی، اتفاق سے ایک بار نظر پڑ گئی تو دریافت فرمایا کہ تم کون ہو، انہوں نے اپنے باپ کا نام بتایا اور دریافت فرمایا وہ کہاں ہیں، انہوں نے عرض کیا کہ اسے مرے کئی مہینے ہو گئے، دریافت فرمایا کہ تم نے یہ کام کب سے اپنے ذمہ لیا، انہوں نے عرض کیا کہ باپ کے مرتے ہی ہار میں روزانہ پیش کر رہا ہوں، یہ سنکر شاہ جی میاں قبلہ وفور مسرت سے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں گلے سے لگا لیا، انہوں نے اسلام قبول کر لیا، اسی وقت یہ ازخود رفتہ ہو گئے، اس وقت تو یہ ایک دوکاندار تھے مگر اب تارک الدنیا اور صاحب خدمت ہو گئے۔ گھر بار چھوٹ گیا، شاہ جی میاں کے وصال کے بعد جب وہ بریلی صاحب خدمت ہو کر آئے ہیں تو ایک روز جب جذب کا زور بالکل نہ تھا تو اپنا یہ سارا واقعہ خود بیان کیا، بریلی کے لوگ ان کے بڑے معتقد تھے اور ان کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ مگر وہ شہر میں کہیں مستقل نہ رہتے تھے۔ میرے بڑے بھائی حکیم حسین رضا خاں صاحب کو بھی ان سے بڑی محبت ہو گئی تھی۔ وہ دنیا میاں کو اکثر لاتے اور اپنی نشست گاہ میں ٹھہراتے تھے۔ دنیا میاں جب سوداگری محلّہ کی گلیوں سے جاتے تو ہر طرف دیکھتے بھانپتے گھبراتے ہوئے نکل جاتے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کا سامنا نہ ہو جائے۔ ان کی اس قدر احتیاط سے اندازہ ہوا کہ وہ اعلیٰ حضرت کے سامنے آنا نہیں چاہتے ہیں۔ ایک روز ہم لوگوں نے دنیا میاں سے عرض کیا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ اس وقت باہر پھاٹک میں تشریف فرما ہیں۔ چلئے آپ کو ان سے ملا لائیں وہ اپنی کچی زبان سے انکار کرتے رہے کہ میں نائے جانگو" جب ان سے زیادہ اصرار کیا تو بولے" مولوی رجا احمد کھان (مولوی رضا احمد خان) شرے کے بلی ہیں۔ (پابند شرع ولی ہیں) میں واکے اگیلا ہرگز نائے جانگو، میرے بجھ کھلے بھے ہیں" میں ان کے سامنے ہرگز نہ جاؤں گا میرا ستر کھلا ہوا ہے۔ برہنہ رہنے والے مجاذیب کو ان کے سامنے آتے جاتے کبھی نہ دیکھا۔ مگر یہ راز دنیا میاں سے افشا ہو گیا۔ اتنا احترام شاید ان کے مجدد ہونے ہی کا ہو۔

اہل علم رؤسا کی عقیدت

قاضی عبدالوحید صاحب مرحوم (پٹنہ)

مجھے قاضی مولانا عبدالوحید صاحب رئیس پٹنہ کا ذکر کر دینا ضروری ہے۔ وہ آغاز ندوہ میں اعلیٰ حضرت قبلہ سے ملے اور ندوہ کے مقابلے میں انہوں نے بہت بڑا جلسہ پٹنہ میں کیا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کو بلایا، اعلیٰ حضرت قبلہ گئے، دوران جلسہ میں قاضی صاحب مرحوم کے یہاں قیام ہوا، صحبتیں رہیں، پھر تو ان کا رخ بالکل تبلیغ واشاعت کی طرف ہو گیا۔ انہوں نے رسالہ ''تحفۂ حنفیہ'' جاری کیا۔ حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب پیلی بھیتی اس کے مدیر ہوئے اور ایک دینی مدرسہ کا افتاح کیا۔ جس کے صدر مدرس حضرت مولانا وصی احمد صاحب قبلہ محدث ہوئے۔ اور غالباً ان سب کاموں پر سارا روپیہ اپنا ہی صرف کرتے تھے۔ اس رسالہ میں اکثر مضامین اعلیٰ حضرت ہی کے ہوتے تھے۔ قاضی صاحب مرحوم اعلیٰ حضرت کی محبت میں عشق کی حد تک پہنچ چکے تھے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کو بھی قاضی صاحب مرحوم سے انتہائی محبت ہو گئی تھی۔ مگر اس چرخ گردوں کے نیچے دو دوستوں کو زیادہ دنوں تک جمع رہتے نہیں دیکھا گیا۔ قاضی صاحب مرحوم جوانی ہی میں رحلت فرما گئے۔ اعلیٰ حضرت کو ان کے انتقال کا بڑا صدمہ ہوا۔ انہیں دینی خدمات کے سلسلہ میں اکثر یاد فرماتے تھے۔

چودھری عبدالحمید خاں رئیس سہاور

مولوی چودہری عبدالحمید خاں صاحب رئیس اعظم قصبہ سہاور ضلع ایٹہ۔ یہ ''کنز الآخرہ'' کے مصنف تھے اور فقہ حنفی کی اردو میں یہ منظوم کتاب تھی اور بہت محشیٰ تھی۔ حواشی نثر میں تھے۔ اس کتاب کو ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر سال بسال مفت تقسیم کرنا ان کا صدقۂ جاریہ تھا جو برسہابرس جاری رہا۔ نماز روزہ حج اور زکوۃ کے اکثر و بیشتر مسائل اس ضخیم کتاب

میں اردو پڑھنے والوں کو آسانی سے مل جاتے تھے۔ یہ ضلع ایٹہ میں بڑے تعلقہ دار تھے۔ شروانی خاندان کے گوہر آبدار تھے۔ خود ذی علم اور بڑے علم دوست تھے۔ فقہ حنفی میں ان کی نظر بہت وسیع تھی۔ یہ بہت خداترس اور سخی بھی تھے۔ بڑے متقی پرہیزگار تھے۔ یہ جب تک اعلیٰ حضرت قبلہ کے یہاں قیام فرماتے ان کی وجہ سے اعلیٰحضرت قبلہ خلاف معمول باہر تشریف رکھتے۔ ان کا قیام تین تین چار چار روز رہتا۔ ان کی مجلس میں اول سے آخر تک علمی مذاکرے ہی ہوتے۔ یہ اعلیٰ حضرت کے ایک مخلص دوست کی حیثیت رکھتے تھے۔ مگر اعلیٰ حضرت قبلہ کے علمی وقار کو کبھی فراموش نہ کرتے۔ یہ اعلیٰ حضرت قبلہ کو مارہرہ شریف کے عرس سے واپسی پر سہاور بلاتے اور دو دو تین تین روز اپنا مہمان رکھتے۔ وہاں بھی علمی مذاکرے ہی رہتے۔ شروانی قوم نے ان کو اپنا چودھری مان لیا تھا۔ اس لئے چودھری صاحب کہلاتے تھے۔

مولانا حاجی لعل خاں صاحب۔ کلکتہ

کلکتہ کے بڑے تاجر الحاج مولانا محمد لعل خاں صاحب بھی اعلیٰ حضرت قبلہ کے مرید خاص تھے۔ ان کے صاحبزادے احمد خاں نے بھی بچپن میں تعلیم و تربیت اعلیٰ حضرت ہی کے یہاں حاصل کی ہے جو بفضلہٖ تعالیٰ زکریا اسٹریٹ کلکتہ میں اپنا کام کر رہے ہیں۔ اور آستانۂ رضویہ سے ان کی عقیدت و محبت کا تعلق بدستور ہے۔ مولوی حاجی محمد لعل خاں صاحب کے بعد ان کی جگہ ان کے برادرزادے الحاج عبدالعزیز خاں صاحب برسر اقتدار آئے۔ انہوں نے بھی شرف بیعت حاصل کیا اور تاحیات وہی تعلق باقی رکھا۔ اکثر و بیشتر حاضر ہوتے رہے۔

چھٹا باب

انتظام وانصرام

نظم جدید

اس نظم کی رو سے مولانا ظفرالدین اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے پیشکار ہوئے۔ان کا کام بعد نماز عصر باہر کی آئی ہوئی ڈاک پیش کرنا تھا جن کا جواب اعلیٰ حضرت زبانی بولتے جاتے تھے اور فاضل بہار لکھتے جاتے۔استناد کے موقع پر کتب فتاویٰ کی عبارتیں بھی اعلیٰ حضرت قبلہ برجستہ ہی پڑھ دیتے حالانکہ اس وقت کوئی کتاب پاس بھی نہ ہوتی۔اعلیٰ حضرت کی یہ مہارت تو حاضرین نے مدتوں دیکھی ہے جو اس وقت اپنی ضرورتوں سے آئے ہوئے ہوتے تھے۔مولانا سید غلام محمد صاحب اور مولانا سید عبدالرشید صاحب امین الفتویٰ ہوئے ۔کچھ روز کے بعد مولانا عبدالرحمٰن صاحب بہاری ہوئے۔امین الفتویٰ کا کام چھوٹے چھوٹے فتووں کا جواب لکھنا اور جو فتوے اندر سے اعلیٰ حضرت قبلہ کے لکھے ہوئے آئیں ان کا فتاویٰ رضویہ کی مختلف جلدوں میں نقل کرنا تھا۔امین الفتویٰ کا نقل کا کام بہت بڑا تھا۔اس واسطے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ بعض معمولی مسائل پر اندر سے رسائل لکھ کر بھیج دیتے تھے۔پھر ان کی روزانہ کی تصنیف کوئی ایک شخص نقل نہیں کرسکتا تھا۔یہ بارہا کا تجربہ ہے۔خداوند عالم نے ان کے ہاتھ میں یہ روانی دی تھی کہ مضامین کے سیلاب کو جو ان کے دماغ سے امنڈتا تھا اسے ضبط تحریر میں لے آتے تھے۔اور لوگ نقل سے تھک جاتے تھے۔

حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب کے زمانۂ پیشکاری میں محدث سورتی

حضرت مولانا وصی احمد صاحب کی موجودگی میں اعلیٰ حضرت نے حضرت صدر الشریعہ کو فتویٰ لکھاتے ہوئے فتاویٰ قاضی خاں کی ایک طویل عبارت زبانی لکھوا دی۔ اس سے حضرت محدث صاحب قبلہ کو سخت تعجب ہوا۔ جب اعلیٰ حضرت قبلہ نماز مغرب کے لئے مسجد تشریف لے چلے اور پھاٹک سے باہر ہو گئے تو محدث صاحب قبلہ نے صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب سے ارشاد فرمایا کہ تم ابھی اندر سے فتاویٰ قاضی خان باہر منگا رکھو۔ چنانچہ حضرت صدر الشریعہ نے اندر سے فتاویٰ قاضی خان منگوالیا۔ جب اعلیٰ حضرت قبلہ مسجد سے آ کر حسب عادت اندر تشریف لے گئے تو حضرت محدث صاحب نے صدر الشریعہ سے فتویٰ نکلوایا اور فتاویٰ قاضی خاں میں عبارت بھی نکل آئی۔ فتوے کی عبارت کا فتاویٰ سے مقابلہ کیا گیا تو فتوے میں ایک ایک لفظ فتاویٰ کے مطابق نکلا، سب کو حیرت ہوئی۔ دین کی کتابیں انہیں حفظ ہی معلوم ہوتی تھیں۔

منشی صادق جو سید محمود علی صاحب کے ہفتہ وار اخبار ''روز افزوں'' کے کاپی نویس تھے اور شہر بھر میں زود نویس مشہور تھے۔ ہفتہ میں ایک روز اخبار کے لئے شرعی مسائل کا مضمون لینے آتے اور آستانہ رضویہ ہی پر اس کی کاپی لکھتے۔ اندر سے پرچے آنے شروع ہوتے، ان کی کاپی لکھنا شروع کرتے، کبھی ایسا نہ ہوا کہ منشی ایک پرچہ لکھ کر دوسرے پرچے کا انتظار کریں۔ مضمون ہی سوار رہتا۔ بہت روز یہ دیکھا گیا۔ حضرت حجۃ الاسلام اس دور میں شریک درس بھی رہے۔ اس کے علاوہ ان کا کام زنانے مکان میں اعلیٰ حضرت قبلہ کو کتابیں نکال کر دینا اور حسب الحکم سندوں کی عبارتیں تلاش کر کے پیش کرنا تھا۔ جس کا پتہ نشان بلکہ بعض وقت صفحہ تک اعلیٰ حضرت قبلہ ہی بتا دیتے تھے۔

فتویٰ نویس کا انتظام

فاضل بہار مولانا ظفر الدین صاحب خطیب جامع مسجد ہو کر شملہ چلے گئے تو ان

کی جگہ حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب پیش کاری کے منصب پر فائز ہوئے، اور مولوی نواب مرزا کے ہٹنے پر مولوی شفیع احمد خاں صاحب بیسلپوری مرحوم امین الفتویٰ ہوئے۔ حضرت صدر الشریعہ بیک وقت پیش کار بھی تھے، منظر اسلام کے مدرس بھی تھے، مطبع اہلسنت کے مہتمم بھی تھے۔ یہ سب فرائض بخوبی انجام دیتے تھے۔ اسی حالت میں تصنیف بہار شریعت کا کام جاری تھا اور بوقت ضرورت مناظرہ کے لئے بھی یہ ہی بھیجے جاتے تھے۔ حضرت صدر الشریعہ کی پیشکاری تا حیات اعلیٰ حضرت قدس سرہ جاری رہی اور دیگر کارہائے متعلقہ جو پہلے سے کررہے تھے بدستور کرتے رہے۔ مولوی شفیع احمد خاں صاحب مرحوم چند ہی سال امین الفتویٰ رہے۔ وہ اس منصب کے لئے بے حد موزوں تھے۔ وہ سلیم الطبع اور بڑے پرہیزگار تھے۔ ان کی جوانی کے ساتھ ان کا تقویٰ بھی جوان ہی تھا۔ وہ جوان صالح کے پورے مصداق تھے۔ یہ بزرگ قصبہ بیسلپور ضلع پیلی بھیت کے ساکن تھے اور حضرت محدث صاحب قبلہ مولانا وصی احمد صاحب کے رشید شاگرد اور داماد تھے۔ عین شباب میں انتقال فرماگئے انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

ان کے بعد اس امین الفتویٰ کے منصب پر یکے بعد دیگرے دونو جوان فاضل آئے۔ پہلے مولانا برہان الحق صاحب جبل پوری جو اس وقت مفتیٔ اعظم مدھیہ پردیش اور مرجع خلائق ہیں۔ یہ اعلیٰ حضرت قبلہ سے بیعت ہوئے اور شرف خلافت سے بھی ممتاز ہوئے۔ یہ اعلیٰ حضرت کے خلیفۂ اعظم عید الاسلام مولانا عبد السلام صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ ان کی واپسی وطن کے کچھ دن بعد صاحبزادہ والا تبار حضرت مولانا سید محمد صاحب کچھوچھوی نے مسند امین الفتویٰ کو رونق بخشی اور اپنی خداداد قابلیت سے ایک ہی سال میں ماہر مفتی ہوگئے۔ پچھلے دونوں حضرات آسمان شہرت پر آفتاب و ماہتاب کی طرح مدتوں سے چمک رہے تھے کہ محدث صاحب کچھوچھوی نے وصال فرمایا۔ ان کی رحلت سے تبلیغ ملت اسلامیہ میں جو کمی ہوگئی ہے اللہ تعالیٰ ان کے جانشین سے اس خلاء کو پر کرے جو

ملک کی فضا کو نعرہ ہائے تکبیر سے بھر دے۔ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

حافظ قاری مولوی حشمت علی خاں صاحب نے اپنے دور طالب علمی ہی میں فتویٰ نویسی اور وعظ کی مشق شروع کر دی تھی، انہیں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے دو دفعہ اپنے قیام بھوالی میں اپنے ساتھ رکھا تھا۔اس زمانے میں یہی پیشکار اور امین الفتویٰ رہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کا وصال ان کی طالب علمی کے آخری دور میں ہوا تھا۔وہ اس وقت فتویٰ نویسی اور وعظ میں کافی مہارت پیدا کر چکے تھے۔ان کی تکمیل میں حضرت حجۃ الاسلام اور حضرت مفتی اعظم نے بھی مدد دی ہے۔میدان مناظرہ میں بھی اترنے لگے تھے۔دنیا دیکھ چکی ہے کہ وہ کیسے خوش بیان واعظ اور قابل مفتی ہوئے ہیں۔

مسائل ترکہ کا انتظام

مسائل ترکہ کا انتظام ابتدا ہی سے بہت معقول رہا۔ابتداء یہ کام اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ابتدائی شاگرد مولوی الحاج نواب سلطان احمد خاں صاحب کرتے تھے ۔جب کام بڑھنے لگا تو عم مکرم الحاج مولوی محمد رضا خاں صاحب کرنے لگے۔پہلے تو بریلی ہی کے مسائل ترکہ آتے تھے۔باہر کے لوگوں کو جب پتہ چلا تو بیرونجات سے بھی مناسخے آنے لگے۔اب کام کی کثرت اور بڑھ گئی تو دارالعلوم کے طلبہ کو بھی تیار کر لیا گیا۔یوں کام بھی سمٹتا رہا اور طلبہ بھی اس کام کو سیکھ گئے ۔الحاج نواب سلطان احمد خاں صاحب محلّہ بہاری پور میں رہتے تھے اور عم مکرم کی سکونت سوداگری محلّہ ہی میں تھی ۔اس لئے ان کی طرف رجوع بڑھ گیا اور وہ مسائل ترکہ کا مرکز بن گئے ۔اعلیٰ حضرت قبلہ مسائل ترکہ لکھنے سے اس لئے گریز کرتے تھے کہ ترکہ کا مقدمہ لڑنے کی صورت میں مناسخہ لکھنے والے کو تصدیق کے لئے کچہری جانا پڑتا تھا۔اعلیحضرت قبلہ کو انگریز سے اور اس کی کچہری سے ہمیشہ نفرت تھی۔اعلیٰ حضرت نے عہد کر لیا تھا کہ کچہری نہ جاؤں گا۔وہ عمر کے کسی حصہ میں

کچہری کے کمرے میں نہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا عہد قائم ہی رکھا۔ ان کے خلاف دشمنوں نے دو دعوے بھی دائر کئے۔ ایک مرتبہ شہر کے بعض بد مذہبوں نے ایک طالب علم سے جس بے جا کا جھوٹا دعویٰ اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر دائر کرا دیا۔ بڑا زور لگایا کہ اعلیٰ حضرت کچہری آ جائیں۔ محمد فاروق صاحب مرحوم اس وقت کوتوال شہر تھے۔ اعلیٰ حضرت کے بڑے مخلص تھے۔ دعویٰ کی نوعیت سے واقف تھے۔ کلکٹر اور کمشنری کی نگاہ میں ان کی بڑی عزت تھی۔ انہوں نے حکام کو مقدمہ کی نوعیت بتا دی۔ اعلیٰ حضرت کو رب العزت نے کچہری کی حاضری سے بچا دیا اور تاریخ پر مقدمہ بغیر ان کے کچہری جانے کے خارج ہو گیا۔ تاریخ پر شہر سے کچہری تک آدمیوں کا تانتا لگا ہوا تھا جسے خود انگریز سٹی مجسٹریٹ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس نے کچہری جا کر پہلے یہ ہی مقدمہ خارج کر کے حکم سنا دیا۔ مسلمان جب گھروں سے چلے تو بہت غمگین تھے اور واپس ہوئے تو بہت خوش تھے۔ پھر تو سارے شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

عید میلا النبی کا انتظام

اعلیٰ حضرت قبلہ کے دادا کے زمانے سے بارہ ربیع الاول کو صبح و شام دونوں وقت التزام سے بڑے پیمانے پر مجلس میلا د منعقد ہوتی چلی آئی تھی۔ عام طور سے یہ مشہور تھا کہ بریلی میں سب سے پہلے میلا د اسی گھر میں منایا گیا ہے۔ اس میں پہلے قرآن خوانی اس کے بعد میلا د خوانی اور وعظ ہوتا تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ خود وعظ بیان فرماتے تھے۔ پہلے علی حسین خاں صاحب رام پوری جو قدم شریف والے مشہور تھے وہ اور ان کے ساتھی میلا د شریف پڑھتے اور قیام کرتے تھے۔ اس کے بعد وعظ پر میلا د شریف ختم ہو جاتا تھا۔ جب اعلیٰ حضرت کے مرید خاص مولوی جمیل الرحمٰن خاں صاحب میلا د شریف پڑھنے لگے اور علی حسین خاں صاحب بھی معذور ہو گئے تو اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ کے مستقل میلا د خواں ا

لہاج مولوی جمیل الرحمٰن خاں صاحب رضوی ہو گئے ۔ یہ میلاد خوانی میں مولانا حسن رضا خاں صاحب کے شاگرد تھے اور اپنے اس فن میں تمام ہندوستان میں بہت مشہور تھے ۔دونوں نے میلاد پاک پر کئی کتابیں لکھی ہیں اور ایک دیوان نعت مکمل کیا ہے جو مروج ہے

دارالعلوم منظر اسلام کا انتظام

اس کے پہلے مہتمم میرے والد ماجد مولانا حسن رضا خاں صاحب حسن ہوئے ۔اور قبلہ سید امیر احمد صاحب (جو اعلیٰ حضرت قبلہ کے مخلص دوست تھے اور وہی قیام دار العلوم کو حدود تخیل سے نکال کر منظر عام پر لانے والے تھے) معاون ہوئے ۔
مولانا حسن رضا خاں صاحب مرحوم نے جب ۱۳۲۶ھ میں وفات پائی تو ان کی جگہ مدرسہ کا اہتمام حضرت حجۃ الاسلام نے سنبھالا اور حضرت حجۃ الاسلام کی جگہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر رہ کر حسب الطلب کتابیں پیش کرنا اور سندیں تلاش کرنا مولانا مصطفےٰ رضا خاں کے سپرد ہوا، انہیں اس سلسلے میں اعلیٰحضرت قبلہ کے آخر حیات تک حضوری کا شرف حاصل رہا۔اسی خدمت کے صلے میں وہ بفضلہٖ تعالیٰ آج مفتی اعظم ہند ہیں۔ یہ نظم برسوں اس خوبصورتی سے جاری رہا کہ ہر شخص اپنے وقت پر آتا اور اپنا کام انجام دیتا رہا۔ وہاں جیسا طریق کار کہیں سنا بھی نہیں ۔اسی طریق کار سے اعلیٰ حضرت کے سب کام کرنے والے بڑے بڑے مفتی مدرس واعظ مناظر ہو گئے ۔اور ان ہی کارگزار حضرات کا ہر طرف آج بھی چرچا ہے۔

اوقات صوم وصلوۃ کی تخریج کا انتظام

سید ایوب علی اور سید قناعت علی صاحبان اعلیٰ حضرت کے مریدان خاص میں سے تھے ۔روزے نماز کے اوقات کا تیار کرنا مستقلاً انہی صاحبان کے ذمہ تھا۔انہیں توقیت

کے قواعد بھی بقدر ضرورت بتا دیئے تھے جس سے یہ دونوں بے تکلف کام کرتے رہتے تھے
۔مشہور تو یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت انہیں بھی ماہانہ رقم دیتے ہیں، یہ نہ معلوم ہوسکا کہ کیا دیتے ہیں

تراویح کا انتظام

میرے ابتدائے شعور تک حافظ عبدالکریم صاحب محراب سنایا کرتے تھے جو شہر کے مشہور قاری حافظ متقی پرہیز گار مشہور تھے ۔وہ جب کمزور ہو گئے تو اعلیٰ حضرت قبلہ نے اپنے مرید و شاگرد و مجاز حافظ یقین الدین صاحب کو تیار کرلیا۔قدرت نے حافظ صاحب کو ایسا خوش الحان بنایا تھا کہ ان کے بعد سے اب تک ایسی سامعہ نواز آواز سننے میں نہ آئی۔ان کا طرز ادا بھی بہت پیارا تھا۔ان کے پیچھے سامعین کو تکان محسوس نہ ہوتی تھی۔وہ روزانہ کم سے کم تین پارے پڑھتے تھے۔سات پارے بھی ان کے پیچھے میں نے خود سنے ہیں ۔قدرتی طور پر ان کی آواز میں بڑی دلکش جھنکار تھی۔ان خوبیوں کی وجہ سے لوگ اپنے اپنے محلوں سے قرآن پاک سننے سوداگری محلّہ آتے تھے۔ایک منچلے وکیل نے حافظ صاحب کی تعریف کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے کہ حافظ یقین الدین صاحب کے پیچھے محراب سننے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک اس وقت اتر رہا ہے اور فرشتہ پڑھ رہا ہے۔انہوں نے حافظ صاحب کے حسن ادا کو اور سریلی آواز کو فرشتے کے پڑھنے سے تشبیہ دی۔وہ حافظ صاحب کے بڑے مدّاح تھے۔

تعویذات کا انتظام

اعلیٰ حضرت قبلہ کے پاس تعویذ لینے والوں کا ہجوم ہونے لگا تو انہوں نے یہ خدمت اپنے ہمشیرزادے حکیم علی احمد خاں صاحب مرحوم ومغفور کے سپرد کردی۔وہ اگرچہ بہت غریب تھے مگر وہ بھی متانت سنجیدگی بے لوثی اور سیر چشمی کے اعتبار سے اس کے اہل بھی تھے۔یہاں چونکہ تعویذات پر کوئی نذرانہ کبھی نہ لیا جاتا تھا اور نہ اب لیا جاتا ہے حالانکہ

حضرت مفتی اعظم کی طرف۔ تعویذ لینے والوں کا رجوع بہت بڑھا ہوا ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے اس خدمت کے پیش نظر اپنی جیب سے حکیم علی احمد خاں صاحب کے لئے کچھ رقم ماہانہ مقرر کر دی تھی جو مدت العمر دیتے رہے۔ یہ ہی حکیم علی احمد خاں صاحب حضرت حجۃ الاسلام کے دور اہتمام میں اپنی زندگی بھر دار العلوم منظر اسلام کے نائب مہتمم بھی رہے ۔ان کی ایمانداری اور کام کی صفائی ضرب المثل رہی ۔اس انتظام کے بعد بھی مخصوص احباب اور سادات کرام اعلیٰ حضرت ہی سے تعویذ لے لیتے تھے خصوصا بخار اتارنے والا نقش اور سوئیوں والا نقش یہ دونوں نقش ان کے بہت مشہور تھے۔ بخار اتارنے کے لئے دو نقش لکھے جاتے تھے اور گھڑی دیکھ کر دونوں بازو پر باندھے جاتے تھے۔ایک گھنٹے میں اگر بخار نہ اترے تو یہ دونوں نقش بازو پر بدل دیئے جاتے تھے، سیدھے بازو کا بائیں پر اور بائیں کا سیدھے پر، دوسرے گھنٹے میں عموماً بخار اتر جاتا تھا ورنہ پھر تیسرے گھنٹے میں نقش بدلنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔

اس نقش کا ایک حیرت انگیز اثر ہمارے گھرانے میں دیکھا گیا۔ چچا لیاقت علی خاں صاحب کے شیر خوار بچے ریاست میاں کو بخار آیا، تین چار روز میں بخار بڑھتے بڑھتے سرسام بھی ہو گیا، شیر خوار بچہ اور شدت کا سرسام، اس کی جان خطرے میں پڑ گئی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ بعد نماز عشاء محلّہ میں مریضوں کی عیادت ضرور فرماتے تھے۔ جب نماز عشاء اور اذکار سے فرصت ہوئی اور مسجد سے اترے تو حاجی کفایت اللہ صاحب حسب دستور لالٹین لے کر آگے ہو لئے۔ ان سے فرمایا کہ گلی میں جانا ہے لیاقت میاں کا بچہ بیمار ہے اسے دیکھوں گا۔ اب حاجی صاحب ادھر مڑے اور الحاج لیاقت علی خاں صاحب کے دروازے پر پہنچ گئے۔ حاجی کفایت اللہ صاحب نے آواز دی کہ اعلی حضرت تشریف لائے ہیں۔ پھر اعلیٰ حضرت کو اندر لیجایا گیا۔ آپ نے بچے کو دیکھا تو وہ سخت خطرے میں مبتلا تھا کچھ پڑھا اور دم فرمایا، اس کی ماں کو تسلی و تشفی دی۔ لیاقت علی خاں صاحب کو دریافت کیا تو

معلوم ہوا کہ وہ کسی ڈاکٹر کی تلاش میں گئے ہیں، اس واسطے کہ بریلی کے حاذق طبیب حکیم عبدالصمد صاحب بعد مغرب آئے تھے، دیر تک بچے کی نبض دیکھتے رہے، اس کے بعد یہ کہہ کر چلے گئے کہ میں نسخہ صبح لکھوں گا جس سے تیمارداروں کو اندازہ ہوا کہ یہ مایوس ہیں، تو ڈاکٹر کی تلاش ہوئی۔ حضرت جب وہاں سے واپس آ رہے تھے تو لیاقت علی خاں صاحب آتے ہوئے ملے، اعلیٰ حضرت قبلہ اپنے ساتھ اپنے دولت کدے پر لے آئے۔ اسی وقت انہیں بازو پر بدلنے والا نقش لکھ کر دیا، ترکیب سمجھا دی اور فرمایا کہ خدا کی ذات سے مایوس نہ ہونا چاہئے، وہ ضرور فضل کرے گا، خدا چاہے تمہارا بچہ تندرست ہو جائے گا۔ گھبراؤ بالکل نہیں، وہ گھر پہنچے تو فوراً تعویذ باندھنے کا انتظام کیا، پاک کپڑے میں گھڑی دیکھ کر تعویذات باندھ دیئے، ماں باپ دونوں بیٹھ گئے، پہلا گھنٹہ گذر گیا بخار ہلکا بھی نہ ہوا، تعویذ بازوں پر بدلے اور پھر بیٹھے انتظار کرتے رہے، بار بار دیکھتے تھے بخار میں کوئی کمی نہ ہوتی تھے، دوسرے گھنٹہ کے آخری حصہ میں بخار غائب ہو گیا مگر اب بچہ کو بھوک پیاس کی تکلیف بڑھی اور کمزوری کی وجہ سے وہ ماں کا دودھ نہ پی سکتا تھا، اس کی تکلیف کی وجہ سے گھر والوں نے ساری رات آنکھوں میں کاٹی۔ صبح نماز فجر پڑھ کر بچے کو حکیم عبدالصمد صاحب کے مطب میں لے گئے، انہوں نے بچے کو دیکھ کر بڑا تعجب کیا اور پوچھا کہ سرسام کا بخار کیسے اترا تو انہوں نے تعویذ کا سارا قصہ سنایا، حکیم صاحب کہنے لگے کہ جب تمہارے یہاں ایسے ایسے نقش موجود ہیں تو مجھ کمزور بوڑھے کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ یہ نقش اکثر لوگ حفاظت سے رکھتے تھے۔ خود ان کے یہاں بخار اتارنے میں کام آتا اور دوسرے مریضوں کے لئے عاریت جاتا تھا۔ حاجی لیاقت علی خاں صاحب والا نقش بھی برسوں عاریت میں چلا مگر نہ معلوم کس نے لیا پھر واپس نہ دیا۔ سوئیوں والا نقش ان جوان عورتوں کے لئے جو اپنی کمزوری اور نزاکت کی وجہ سے اسقاط کی مستقل مریضہ ہو جاتی ہیں از بس مفید ہے۔

ساتواں باب

وداع وفراق

آفتاب علم وفضل کا غروب

اس تحریر کے ابتدائی اوراق میں آپ نے آفتاب علم وفضل کا طلوع دیکھا، پھر عروج دیکھا، پھر غروب تک عروج ہی ہوتا رہا۔آج اس آفتاب کوغروب ہوئے چالیس سال سے زیادہ ہوگئے مگر اس آفتاب کا دور عروج ہی چل رہا ہے اور خدا چاہے قیامت تک دور عروج ہی چلے گا، اس واسطے کہ اس عروج کا اور مقدس دین اسلام کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔اس سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جب تک دنیا میں اسلام رہے گا دیگر مشاہیر اسلام اور ائمہ ہدیٰ کے ذیل میں یہ نام بھی اسی تزک واحتشام سے باقی رہے گا۔ بلکہ جتنا دور آگے بڑھے گا ان کی نیک نامی اور تزک واحتشام میں اضافہ ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔لطف یہ ہے کہ اس آفتاب کوزوال سے کبھی کوئی واسطہ نہ پڑا،غروب کے بعد بھی عروج کی بقا اور اس کا سیلاب کی طرح بڑھنا یہ وہ تائید غیبی ہے جو اہل اللہ کے ساتھ ہوتی چلی آئی ہے، اعلیٰ حضرت قبلہ اپنی علالت ونقاہت کے پیش نظر گرمیوں میں دوتین بار پہاڑ پر بھی تشریف لے گئے۔اس زمانے میں چونکہ رمضان المبارک گرمیوں میں پڑتے تھے اس لئے روزہ رکھنے میں وہاں بڑی آسانی رہتی تھی۔استاذ العلماء مولانا نعیم الدین صاحب قبلہ نے یہ خیال کیا کہ یہاں گرمی اور علالت ونقاہت کے سبب سے رمضان المبارک میں ان پر روزوں کی فرضیت مشکوک ہوجاتی تھی اس لئے وہ روزوں سے کچھ قبل ہی پہاڑ تشریف لے جاتے تھے۔اس

دوران میں علاج کی طرف بھی توجہ فرماتے تھے کہ پہاڑ کی آب وہوا اور مرض کی دوا دونوں کے اثر سے خداوند عالم اتنی توانائی دیدے کہ روزے کی فرضیت شک کے درجے سے نکل کر یقین کے مرتبہ میں آجائے۔ قرائن بتاتے ہیں کہ یہ سفر دو تین سال جاری رہا اور ان کی عمر کے آخری رمضان المبارک تک مسلسل جاری رہا۔

بھوالی سے آمد

آخری بار جب وہاں سے تشریف لائے تو علالت کا کسی قدر سلسلہ چل رہا تھا۔ اپنے پیرومرشد سیدنا آل رسول مارہروی کا عرس کیا اور عرس میں حسب معمول تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں از اول تا آخر مسلمانوں کو نصیحتیں ہی فرمائیں۔ آخر میں یہ بھی فرمایا کہ آئندہ ہمیں تمہیں شاید ایسا موقع نہ ملے۔ اس لئے جو یہاں موجود ہیں وہ بغور سنیں اور جو موجود نہیں ہیں انہیں میرے الفاظ پہونچا دیں۔ اس پر سارا جلسہ بدحواس ہو کر رونے لگا۔ پھر تسکین دی اور فرمایا کہ خدا میں سب قدرت ہے وہ چاہے تو ہم تم اسی طرح بارہا جمع ہوں۔ غرضیکہ آج لوگ متنبہ ہو گئے کہ یہ اب ہم میں رہنے والے نہیں۔ اب لوگوں نے بیعت ہونے کی جلدی کی۔ ہر وقت آستانۂ رضویہ پر مرید ہونے والے مردوں اور عورتوں کا جم غفیر رہنے لگا۔ تو حکم دیا کہ میری طرف سے مردوں کو حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب مرید کریں اور عورتوں کو مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب بیعت کریں۔ یہ سلسلہ روز وفات تک برابر جاری رہا۔ باہر کے لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ بھی آ کر بیعت ہوئے۔ یوم وفات سے دو روز قبل سہ شنبہ کے روز اعلیٰ حضرت پر تپ لرزہ کا حملہ محسوس ہوا، اس سے دفعۃً کمزوری بڑھ گئی اور اتنی بڑھی کہ نبض غائب ہو گئی۔ اس وقت جناب حکیم حسین رضا خاں صاحب بھی حاضر تھے، ان سے فرمایا کہ نبض تو دیکھو، انہوں نے نبض دیکھی تو وہ ڈوب چکی تھی۔ انہوں نے گھبرا کے عرض کیا کہ کمزوری کے سبب نبض نہیں ملتی۔ فرمایا آج کیا دن ہے، حاضرین میں

سے کسی نے عرض کیا چہار شنبہ ہے۔ اس پر فرمایا جمعہ پرسوں ہے اور یہ فرما کر کف افسوس ملتے جاتے اور حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھتے جاتے۔ یہ سب کچھ ان کا پیارا رب دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس کمزوری کے حملے کو ان کی آن میں دفع فرمایا دیا اور طبیعت بدستور سہولت پر آگئی۔ اب حاضرین رخصت ہونے لگے، پھر دو دن طبیعت خوشگوار رہی، یہاں تک کہ جمعہ کے روز جب نماز فجر کے بعد مزاج پرسی کے لئے لوگ اندر گئے تو اعلیٰ حضرت قبلہ کو کافی پرسکون پایا۔

خبر ارتحال

۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ کو لوگ بعد نماز فجر حسب معمول مزاج پرسی کے لئے آئے، تو اعلیٰ حضرت قبلہ کی طبیعت اس قدر شگفتہ اور بحال تھی کہ لوگوں کو مسرت ہوئی۔

مولوی اکرام الحق کا خواب

اور یہی حالت رحلت تک رہی۔ میں یہاں سے صحت کی خوشخبری سنانے قاری خانہ میں مولوی اکرام الحق صاحب گنگوہی مدرس منظر اسلام (جو خیر آبادی خاندان میں مولانا حکیم برکات احمد صاحب ٹونکی مرحوم کے شاگرد رشید تھے، معقول وفلسفہ وکتب اصول بہت اچھی پڑھاتے تھے اور اعلیٰ حضرت قبلہ کے چاہنے والوں میں سے تھے) کے پاس گیا ان کو ان کے بستر پر رضائی میں منہ لپیٹے روتے پایا، میں نے ان سے کہا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کو آج آثار صحت شروع ہو گئے تو آپ دیکھنے بھی نہ گئے۔ اس پر ان کی سسکی بندھ گئی اور زیادہ رونے لگے۔ میں نے انہیں چپ کرایا اور رونے کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے اپنا خواب سنایا اور فرمایا کہ میں نے آج ہی صبح صادق کے وقت دیکھا ہے کہ بہت سے علماء و اولیاء ایک جگہ جمع ہیں اور وہ سب رنجیدہ اور مغموم معلوم ہو رہے ہیں، میں نے رنج وغم کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ آج مولانا احمد رضا خاں صاحب دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں

۔انداز بیان سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس دور نا ہنجار میں اعلیٰ حضرت کا دنیا سے جانا ان حضرات پر بھی گراں تھا۔ان میں بعض میرے دور کے وہ حضرات بھی تھے جنہیں میں نے پہچانا، میں نے ان کی زیارت کی ہے۔میں مولوی اکرام الحق صاحب مرحوم کے اس خواب کو خواب وخیال کہہ کر ٹالتا رہا اوران کے دل سے اس صدمہ کو ہٹاتا رہا، بالآخر انہوں نے مجھ سے کہہ دیا کہ میں علماء وصلحا کے اس جم غفیر کے مقابلے میں آپ کے تخمینی خیال کی تائید نہیں کرسکتا۔

رحلت کے آثار اور وصایا

ابتداء علالت سے یہ دستور رہا کہ جب لوگ اندر مکان میں حاضر ہوتے تو سلام ودست بوسی کے بعد صرف ایک شخص مزاج پرسی کرتا، آپ شکر ادا کرتے اور مختصر حال بیان فرمادیتے۔اس دوران میں اگر کوئی مسئلہ دریافت کرتا اس کا جواب دیتے۔صبر وشکر کی تلقین فرماتے اوران مجالس عیادت میں سفر آخرت کا زیادہ ذکر رہتا۔خود روتے دوسروں کو رلاتے اور سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد تو مدت العمر ان کی ہر صحبت میں ہر تقریر کا موضوع ہی رہی۔وہ موقع بموقع ضرور ہوا کرتی، دوران علالت کی صحبتوں میں یہ بھی بار ہا فرمایا کہ رب العزت کا فضل مانگو وہ اگر عدل فرمائے تو ہمارا تمہارا کہیں ٹھکانہ نہ لگے۔اولیاء کرام کے قصص اکثر مثال کے طور پر پیش فرماتے۔اس جمعہ کو بھی یہ مجلس تذکیر دیر تک رہی ۔آج بھی لوگ پند ونصائح کے انمول موتیوں سے دامن مراد بھر کے لوٹے۔تھوڑی دیر کے لئے ہم سب یہ سمجھے کہ آج صحت کی طرف طبیعت کا صحیح قدم اٹھا ہے۔یہ کوئی نہ جانتا تھا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ جو کچھ اظہار طمانیت کررہے ہیں وہ صرف ہم سب کا غم غلط کرنے کو کررہے ہیں، درحقیقت آج ہی ان کی روانگی ہے۔یہ تو جب معلوم ہوا کہ جب انہوں نے اپنی روانگی کے پروگرام پر عمل درآمد شروع کردیا۔سب سے پہلے آپ نے مفتی اعظم سے کل جائداد کا

وقف نامہ لکھوایا۔ خود اس کا مضمون بولتے جاتے اور حضرت مفتی اعظم لکھتے جاتے۔ جب وقف نامہ لکھا گیا تو خود ملاحظہ فرما کر دستخط ثبت فرمادیئے۔ وقف نامے میں جائداد کی چوتھائی آمدنی مصرف خیر میں رکھی۔ اور تین چوتھائی آمدنی بحصص شرعی ورثہ پر تقسیم فرمادی۔ آج صبح سے کچھ نہ کھایا تھا۔ خشک ڈکار آئی، حکیم حسین رضا خاں صاحب حاضر خدمت تھے، ان سے فرمایا کہ معدہ بفضلہٖ تعالیٰ بالکل خالی ہے ڈکار خشک آئی ہے، اس پر بھی احتیاطاً ایک مرتبہ وصال سے کچھ قبل چوکی پر بیٹھے، اب گھڑی سامنے رکھوالی، اب سے جو کام کرتے تو پہلے وقت دیکھ لیتے، شروع نزع سے کچھ قبل فرمایا: کارڈ، لفافہ، روپیہ پیسہ کوئی تصویر اس دالان میں نہ رہے، جنب یا حائضہ نہ آنے پائے، کتا مکان میں نہ آئے، سورۂ یٰسٓ اور سورہ رعد بآواز پڑھی، جائے کلمہ طیبہ سینہ پر دم آنے تک متواتر بآواز پڑھا جائے، کوئی چلا کر بات نہ کرے، کوئی رونے والا بچہ مکان میں نہ آئے، بعد قبض روح فوراً نرم ہاتھوں سے آنکھیں بند کردی جائیں، بسم اللہ و علی ملة رسول اللہ کہہ کر نزع میں سرد پانی ممکن ہو تو برف کا پانی پلایا جائے۔ ہاتھ پاؤں وہی پڑھ کر سیدھے کر دیئے جائیں، اصلاً کوئی نہ روئے، وقت نزع میرے اور اپنے لئے دعائے خیر مانگتے رہو، کوئی برا کلمہ زبان سے نہ نکلے کہ فرشتے آمین کہتے ہیں، جنازہ اٹھنے پر خبردار کوئی آواز نہ نکلے، غسل وغیرہ سب مطابق سنت ہو، جنازہ میں بلا وجہ شرعی تاخیر نہ ہو، جنازے کے آگے کوئی شعر میری مدح کا ہرگز نہ پڑھا جائے، قبر میں بہت آہستگی سے اتاریں، داہنی کروٹ پر وہی دعا پڑھ کر لٹائیں، نرم مٹی کا پشتارہ لگائیں، جب تک قبر تیار ہو۔

سُبْحٰنَ اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللھم ثبّتْ عبیدك هذا بالقول الثابت بجاه نبیك صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم.

پڑھتے رہیں۔ اناج قبر پر نہ لے جائیں یہیں تقسیم کردیں، وہاں بہت غل ہوتا ہے اور قبروں کی بے حرمتی۔ بعد تیاری قبر کے سرہانے آلٓمّٓ تا مفلحون اور پائنتی آمن

الرسول تا آخر سورہ پڑھیں، اور سات بار باآواز بلند حامد رضا خاں اذان کہیں اور متعلقین میرے مواجہہ میں کھڑے ہوکر تین بار تلقین کریں۔ پھر اعزہ واحباب چلے جائیں، ہو سکے تو ڈیڑھ گھنٹے میری مواجہہ میں درود شریف ایسی آواز سے پڑھتے رہیں کہ میں سنوں، پھر مجھے ارحم الرّاحمین کے سپرد کر کے چلے آئیں، اگر ہو سکے تو تین شبانہ روز کامل پہرے کے ساتھ دو عزیز یا دوست مواجہہ میں قرآن مجید آہستہ آہستہ یا درود شریف ایسی آواز سے بلا وقفہ پڑھتے رہیں کہ اللہ چاہے تو اس نئے مکان سے میرا دل لگ جائے (اور ہوا بھی یہی کہ جس وقت وصال فرمایا اس وقت سے غسل تک قرآن کریم باآواز برابر پڑھا گیا اور پھر تین شبانہ روز قبر انور پر بلا توقف مواجہہ اقدس میں مسلسل تلاوت جاری رہی) کفن پر کوئی دوشالہ یا قیمتی چیز یا شامیانہ نہ ہو، غرضیکہ کوئی بات خلاف سنت نہ ہو۔

وصال

۱۲ ربجے دن کے بعد اعلیٰ حضرت قبلہ نے جائداد کا وقف نامہ لکھوایا اور اپنے دستخطوں سے مزین فرمایا۔ اس کے بعد حضرت حجۃ الاسلام سے سورۂ رعد پڑھوائی جسے بڑے اطمینان سے بغور سنتے رہے۔ پھر یسین شریف پڑھوائی۔ ۲ ربجے کے بعد پانی طلب فرمایا جو پیش کیا گیا۔ پانی پی کر کلمۂ طیبہ پڑھنے لگے کچھ دیر کے بعد صرف اسم جلالت اللہ، اللہ کا ورد فرمایا یہاں تک کہ دو بج کے ۳۸ رمنٹ پر داعی اجل کو لبیک کہا اور ان کی روح پاک اپنے رفیق اعلی کی بارگاہ میں چلی گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

یہ جمعہ مبارکہ کا دن تھا۔ صفر المظفر کی ۲۵ تاریخ تھی۔ دو بج کر ۳۸ رمنٹ ہوئے تھے جب کہ دنیائے اسلام میں خطیب منبروں پر خطبوں میں بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔ اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم و اجعلنامنھم

ترجمہ:۔ اے اللہ اس کی مدد کر جس نے تیرے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

دین کی مدد کی اور ہمیں بھی ان کی ہمراہی کا شرف عطا فرما۔

ان کی روح ان دعاؤں کے جھرمٹ میں ملی جلی بارگاہ رب العزت میں حاضر ہو گئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

اس جمعہ سے قبل والے جمعہ کو اعلیٰ حضرت کی مسجد کی تشریف آوری میں دیر لگی تھی، ان کے انتظار کی وجہ سے لوگوں نے جمعہ میں معمول کے خلاف تاخیر کرادی، اس واسطے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کو کئی بار وضو کرنا پڑا تھا۔ لہٰذا آج صبح ہی ہم سب سے تاکید فرمادی کہ پچھلے جمعہ کی طرح آج میری وجہ سے نماز جمعہ میں اصلاً تاخیر نہ کی جائے۔ جمعہ کی نماز اپنے معمول کے مطابق وقت پر قائم ہو۔ کوئی بھی کچھ کہے نہ مانا جائے۔ ہم لوگ اس کا یہ مطلب سمجھے کہ پچھلے جمعہ میں جو بعض حضرات کے کہنے سے مقررہ وقت ٹالا گیا اس کی آج ممانعت فرمادی ہے۔ یہ گمان بھی نہ تھا کہ یہ آج ہی عین جمعہ کے وقت رخصت ہو رہے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ لوگ اس وقت رونے پیٹنے میں بدحواس ہوں گے۔ جمعہ میں بلا وجہ تاخیر ہوگی۔

اعلیٰ حضرت قبلہ کو التزام جماعت نماز پنجگانہ بہت ملحوظ تھا۔ کئی سال پہلے پاؤں کا انگوٹھا ایسا پکا تھا کہ نہ جوتا پہنا جاتا تھا نہ کھڑے ہو سکتے تھے، اس بار پہلی مرتبہ ظہر کے وقت جو باہر تشریف لائے تو چاروں ہاتھ پاؤں کی مدد سے باہر تشریف لائے، خدام نے فوراً کرسی پر بٹھا دیا، اسی طرح بعد نماز کرسی پر بٹھا کر لے گئے اور پلنگ پر بٹھا دیا، اور استنجے کے لئے پلنگ سے ملا کر چوکی لگا دی گئی، جب تک انگوٹھا پکا یہ عمل جاری رہا کہ جماعت میں شرکت کے لئے زنانہ مکان سے کرسی پر مسجد کے اندر آئے اور مسجد سے کرسی پر اندر لے جائے گئے۔ ابتداءً اس سے کراہت کا اظہار فرماتے رہے مگر خدام کی ضد نے مجبور کر دیا تھا۔ اس علالت میں بھی آپ جب مسجد نہ جا سکے تو نمازوں کے اوقات پر کرسی لیئے موجود رہتے اور جماعت میں آپ کو نماز پڑھواتے، چنانچہ جمعۃ الوفات سے پہلا جمعہ آپ نے

مسجد میں با جماعت ادا کیا تھا، کرسی اٹھانے کے لئے کچھ مخلصین اور کچھ گھر والے نماز کے وقت ضرور حاضر ہو جاتے جن میں سے ایک بفضلہٖ تعالیٰ یہ راقم الحروف بھی ہے۔ خداوند عالم ان سب کو اجر خیر دے آمین۔

تکفین و تدفین

چنانچہ وصال کے بعد فوراً جمعہ کی تیاری کی آواز لگا دی گئی اور سب حاضرین واہل خانہ بجائے آہ و بکا و گریہ وزاری کے جمعہ کی تیاری میں لگ گئے۔ جمعہ کے بعد لوگ بہت آگئے۔ تجہیز و تکفین و تدفین کا مشورہ ہوا۔ فوراً ۴۵ تار دیئے گئے۔ جہاں جہاں سے لوگ آسکتے تھے وہ دفن کے مقررہ وقت تک بریلی آگئے۔ غسل میں سادات عظام اور علماء کرام و اہل خاندان نے شرکت کی۔ جنازہ تیار ہوا تو کفن لانے والے صاحب عطر بھول گئے تھے۔ عین ضرورت کے وقت محلہ پینٹھ میراں کے ایک حاجی صاحب اعلیٰ حضرت قبلہ کی نذر کے لئے مدینہ پاک کا عطر، غلاف کعبہ، آب زم زم، خاک شفا وغیرہ لے کے آگئے، یہ عطیہ عین وقت پر پہونچا، یہ سب چیزیں فوراً کام آئیں، رونمائی کے بعد جنازہ نماز کے لئے عیدگاہ چلا۔ اس واسطے کہ وسط شہر کوئی ایسا وسیع میدان نہ تھا بجز ایک ارض مغصوبہ کے، سوداگری محلہ سے عیدگاہ تک جو کشمکش رہی ہے وہ کبھی نہ دیکھی۔ یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ اس چھین جھپٹ میں پلنگ ٹوٹ کے ٹکڑے ہو جائے گا مگر شکر ہے کہ پلنگ سلامت رہا۔

وہاں پہونچ کر ایک تعجب خیز واقعہ اور دیکھا کہ عیدگاہ میں چھ سات جنازے پہلے سے رکھے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے جنازے کا انتظار ہو رہا ہے۔ لوگوں سے کہا کہ تم نے حسب دستور اپنے محلہ میں نماز جنازہ پڑھ کے دفن نہ کر دیا، یہ کیا کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ سب اعلیٰ حضرت قبلہ کے فدائی تھے۔ ان کے جنازوں کی نماز ان کی نماز جنازہ کے ساتھ ہوگی، وہ بھی عجیب سماں تھا کہ اکٹھے چھ یا سات جنازوں کی نماز ایک ساتھ ہو رہی تھی۔ صف بستہ نماز ادا

کر رہے تھے۔ دو ایک جنازے دیہات کے تھے، باقی شہر کے مختلف حصوں کے تھے۔ بیسوں سقہ صاحبان بلا کسی تحریک کے گھر سے عید گاہ تک چھڑکاؤ کرتے جا رہے تھے۔ انہوں نے عید گاہ میں وضو کا پانی دیا۔ ظہر عید گاہ میں ادا کی گئی۔ اس کے بعد جنازہ سوداگری محلہ لاکر خانقاہ رضویہ میں سپرد کر دیا گیا۔ یہاں تمام حاضرین نے نماز عصر ادا کی اور اسی وقت مزار شریف پر تلاوت قرآن پاک شروع ہوگئی جو تین دن تین رات مسلسل جاری رہی ۔رات میں بھی کسی وقت ایک آن کو تلاوت نہ رکی۔ ہندوستان میں جگہ جگہ سوم کیا گیا۔ مگر خواجہ غریب نواز کے آستانہ پر خادم آستانہ سید حسین صاحب مرحوم نے جو سوم کیا وہ بہت بڑے پیمانے پر ہوا۔ اس میں ختم قرآن پاک بہت ہوگئے۔ ویسے تو کلکتہ رنگون میں بھی سوم کی اطلاعات آئیں مگر جامعۂ ازہر مصر کی رپورٹ جو انگریزی اخباروں میں چھپی اس سے بڑی حیرت ہوئی، اس واسطے کہ یہاں سے کوئی اطلاع نہ دی گئی تھی۔

ایصال ثواب

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے بھی ایصال ثواب کے اطلاعیں ملیں۔ مدینہ منورہ میں مولانا ضیاء الدین احمد صاحب اور وہاں کے دیگر علماء کرام نے سنا ہے کہ مواجہہ اقدس میں بیٹھ کر ایصال ثواب کیا۔ یہ اس ذاتی عشق کا اثر تھا جو اعلیٰ حضرت کو سرکار دو جہاں کی ذات کریمہ سے تھا۔ حسب دستور خاندان قادریہ عرس چہلم میں رسم سجادگی عمل میں آئی جس میں ہندوستان کے اکثر علماء و مشائخ نے شرکت کی۔ حسب الحکم اعلیٰ حضرت قبلہ حضرت حجۃ الاسلام کو خرقۂ خلافت پہنایا گیا۔ چہلم میں علماء کرام نے تقریریں کیں۔ د۔ تو یاد نہ رہیں۔ مگر مولانا سید سلیمان اشرف ناظم دینیات علی گڑھ یونیورسٹی کی ایک بات اب تک یاد ہے جس پر لوگ بہت روئے تھے۔ انہوں نے اثنائے تقریر میں جب کہ قبر انور کے پاس کھڑے تقریر کر رہے تھے۔ فرمایا کہ یارو! مجھے بریلی آتے جاتے بہت دیکھا ہے

مگر اب نہ دیکھو گے۔ میں علی گڑھ کالج میں ہوں جہاں عربی کا بھی بڑا کتب خانہ موجود ہے ۔اگر ہم کسی تحقیق کے درپے ہوں تو بکثرت کتابیں دیکھ سکتے ہیں اور دیکھتے بھی ہیں مگر ہمیں پوری تسکین جبھی ہوتی تھی جب کہ اس بندۂ خدا (قبر انور کی طرف اشارہ کر کے) کی زبان سے سن لیتے تھے،تو آپ بتاؤ ہم کیوں آنے لگے۔اس پر مجمع میں لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔

وہ لب ہلائیں گے نہیں اور ہم آئیں گے نہیں

آٹھواں باب

باقیات

خدّام اما احمد رضا

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے خاص خدام کی اگر فہرست کھولی جائے تو اس میں تین نام خاص طور پر سامنے آتے ہیں۔الحاج کفایت اللہ صاحب۔حاجی نذیر احمد صاحب۔جناب ذکاء اللہ خاں صاحب۔حاجی کفایت اللہ صاحب رنگ سازی میں قلم کا کام خوب کرتے۔بورڈ وغیرہ اچھے تیار کرتے تھے۔جوانی میں بیعت ہوئے ،اس وقت ان کی شادی نہ ہوئی تھی۔بیعت کے بعد انہوں نے شادی ہی نہ کی اور اپنے مرشد کی خدمت اختیار کر لی ،جس دن سے بیعت ہوئے اعلیٰ حضرت قبلہ کی وفات تک سایہ کی طرح سفر و حضر میں ہر وقت ساتھ رہے حتیٰ کی یہ اور حاجی نذیر احمد صاحب دوسرے سفر حج میں بھی ساتھ ہی تھے۔حاجی نذیر احمد صاحب مرحوم چند سال حاجی کفایت اللہ کے دوش بدوش حاضر خدمت رہے۔وہ قوم کے راعیں تھے اور شاید زمیندار بھی تھے۔انہیں زمینداری کے کاموں کی وجہ سے کچھ روز گھر بھی رہنا پڑتا تھا۔تو اس سنہرے موقع کو ذکاء اللہ خاں صاحب نے ہاتھ سے نہ جانے دیا اور ان کی غیر حاضری میں یہ جگہ انہوں نے پر کی۔جب حاجی نذیر احمد صاحب معذور ہو گئے تو ذکاء اللہ خاں صاحب ان کی جگہ آ گئے۔ذکاء اللہ صاحب کی حاضری اور ان کی خدمت بھی وقتی تھی ،وہ معاش کی ضرورتوں سے جب فرصت پاتے تو آتے ،صرف حاجی کفایت اللہ صاحب کی خدمات تا حیات مسلسل جاری رہیں۔

اس تا حیات سے مراد اعلیٰ حضرت قدوس سرہٗ کی حیات ظاہری نہیں بلکہ حاجی کفایت صاحب کی زندگی مراد ہے۔ اس واسطے کہ وہ اعلیٰ حضرت کی وفات کے بعد بھی انہی کے قدموں میں رہے اور وہیں دم دیا اور اب بھی وہ اعلیٰ حضرت کے پائیں جانب ایک حجرے میں دفن ہیں ۔وہ درحقیقت اولیائے سابقین اور علمائے سلف کے خدام کا صحیح نمونہ تھے۔ اس دور میں تو وہ اپنے اس طرز معاشرت میں اپنا نمونہ آپ ہی تھے۔ ان کے زمانے میں علماء واولیائے کرام کے آستانۂ حیات پر بھی ایسے پرخلوص خدام نہ دیکھے گئے، وہ بڑے متقی و پرہیزگار تھے، دور مجاورت میں ہر وقت مزار شریف پر حاضر رہتے تھے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے بعض نقوش کی انہیں اجازت دے دی تھے، وہ لوگوں کو لکھ لکھ کر دیتے رہتے، یہ ان کی ذات سے بھی خدمت خلق کا سلسلہ تا حیات جاری رہا۔ اس قدر غیور تھے کہ انہیں کسی سے کچھ لیتے سنا بھی نہیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے صاحبزادگان اور ان کے بعض فدائی ممکن ہے کہ حاجی صاحب کی خفیہ امداد کرتے رہے ہوں۔

اعلیٰ حضرت قبلہ کے خدام میں خدا بخش مرحوم بھی تھے، ہمارے خاندان اور بعض دیگر اہل محلہ میں پانی بھرتے تھے۔ ان کا قصہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ان کے گھر کی ملازم عورتیں اور باہر کے ملازم مرد، یا کام کاج کے قابل نہ رہے تو خود گئے، یا یہاں مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور گھر والے لے گئے تو ان کی وفات پر تنخواہ روز رحلت تک ادا کی گئی، اور جو کچھ امداد ہو سکی وہ کی گئی، کسی خادم کا نکالا جانا مجھے یاد نہیں ہے۔

تلامذہ امام احمد رضا

مجھے خوب یاد ہے کہ حسب ذیل حضرات اعلیٰ حضرت قبلہ کے حلقۂ درس میں شامل تھے۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، ملک العلماء فاضل بہار مولانا ظفر الدین صاحب ۔مولانا شاہ ابوالخیر سید غلام محمد صاحب بہاری مرحوم۔ مولانا سید عبدالرشید صاحب بہاری

مرحوم، مولوی حکیم عزیز غوث صاحب بریلوی مرحوم ، مولوی واعظ الدین صاحب چاٹگام، مولوی سلطان الدین سلہٹ ، مولوی نور احمد صاحب بنگال، نواب مرزا طوسی۔ اگر کوئی نام فراموش ہو گیا ہو تو مجھے معاف فرمائیں۔ یہ حضرات اعلیٰ حضرت قبلہ کے پاس خصوصیت سے توقیت، لوگارثم، تکسیر، ریاضی اور کتب احادیث پڑھتے تھے۔ حسب مراتب فتاویٰ بھی ان کے سپرد ہوتے تھے۔ ان دنوں اعلیٰ حضرت قبلہ کو بہت کام کرنا پڑتا تھا تو ان سب حضرات کی مشاورت سے ایک نیا نظم قائم کیا گیا، اس سے قبل عیدالاسلام حضرت مولانا عبدالسلام صاحب رضوی جبلپوری تاج خلافت سے ممتاز ہو کر وطن واپس گئے تھے۔

نواں باب

تاثرات

علمائے عرب وحرمین کی قدر افزائی

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی اکثر کتب ورسائل علمائے حرمین محترمین کی نظر سے گزر تے رہے ہیں اوران پانچ رسائل پرتو انہوں نے تقریظیں بھی تحریر فرمائی ہیں۔ فتـــاوی الحرمین برجف ندوۃ المین۔ المستند المعتمد ۔ کفل الفقیہ الفاھم۔ حسام الحرمین۔الدولۃ المکیہ یہ سب رسائل عربی زبان میں ہیں۔اور بعض مع ترجمہ چھپ بھی گئے ہیں۔ان تقاریظ میں مرکز اسلام حرمین طیبین کےاور دیگر بلاد اسلامیہ کے اجلہ علمائے کرام نے جن آداب والقاب سے اعلیٰ حضرت قبلہ کونوازہ ہےان آداب اورالقاب کودیکھ کر اعلیٰ حضرت قبلہ کی جلالت شان کا اندازہ کیجئے اور دیکھئے کہ مرکز اسلام کے پاک نفوس میں اعلیٰ حضرت قبلہ کی کس قدرعزت وعظمت بھری تھی۔ میں چاہتاہوں کی علمائے حرمین طیبین کی رائے ناظرین کے سامنے رکھ دوں۔اس وقت میرے پاس کتاب فتاویٰ حرمین کی پینتیس تقاریظ ہیں جوحسام الحرمین میں کئی جز میں چھپی ہیں۔ان سب کو پورانقل کرنے میں بڑی طوالت ہے۔لہذا صرف چار تقاریظ کا اقتباس پیش کروں گا،اس واسطے کہ یہ سب تقریظات ملی جلی ہیں،تمام علمائے کرام نے اپنے اپنے جذبۂ عقیدت کے موافق اعلیٰ حضرت قبلہ کوسراہا ہے۔بقیہ تقریظات کوانہیں اقتباسات پر قیاس کرلیجئے یاحسام الحرمین میں خوددیکھ لیجئے۔

تقریظ

صاحب علم محکم علامہ مولانا سید مرزوقی ابوحسین صاحب (اللہ ان کا دونوں جہاں میں نگہبان ہو۔)

ترجمہ:۔حمد وصلوۃ کے بعد بے شک مجھ پر اللہ کا احسان ہوا اور اسی کے لئے حمد و شکر ہے کہ میں حضرت عالم علامہ سے ملا جو زبردست دریا نے عظیم الفہم ہیں، جن کی فضیلتیں وافر اور بڑائیاں ظاہر، اور دین کے اصول وفروع اور علم کے علاحدہ اور مجموع میں تصانیف کا اثر خصوصاً اہل بطلان، دین سے نکل جانے والے بدمذہبوں کے رد میں۔اور بے شک میں نے ان کا اچھا ذکر اور بڑا مرتبہ پہلے ہی سے سنا تھا، اور ان کی بعض تصانیف کے مطالعہ سے مشرف ہوا تھا، جن کے نور قندیل سے حق روشن ہوا، تو ان کی محبت میرے دل میں جم گئی، اور قلب وعقل میں متمکن ہوچکی تھی، اور کان آنکھ سے پہلے کبھی کبھی اظہار شک کرتے تھے تو جب اللہ تعالیٰ نے اس ملاقات سے احسان فرمایا میں نے وہ کمال ان میں دیکھے جن کا بیان طاقت سے باہر ہے، میں نے علم کا کوہِ بلند دیکھا جس کے نور کا ستون اونچا ہے، معرفتوں کا ایسا دریا جس سے مسائل نہروں کی طرح چھلکتے ہیں ایسے علموں کا صاحب، جن سے فساد کے ذریعہ بند کئے گئے ،تقریر علوم دینیہ کی محافظت میں طاقتور زبان والا، جو علم کلام اور فقہ وفرائض پر غلبہ کے ساتھ حاوی ہے۔اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مستحبات وسنن وواجبات وفرائض پر محافظت کرنے والا،

عربیت اور حساب کا ماہر، منطق کا دریا جس سے اس کے موتی حاصل کئے جاتے ہیں، علم اصول تک وصول کا آسان کرنے والا، اس لئے کہ ہمیشہ اس کی ریاضت رکھتا ہے ،حضرت مولانا علامہ فاضل بریلوی حضرت احمد رضا خاں اللہ اس کی عمر دراز کرے اور دونوں جہانوں میں اسے ہمیشہ سلامت رکھے۔اور اس کے قلم کو وہ تیغ برہنہ کرے جس کا

نیام نہ ہو مگر اہل بطلان کی گردنیں۔ ایسا ہی کر، یا اللہ ایسا ہی کر۔ اللہ ان کا نگہبان ہو۔ تو مجھے انہیں دیکھ کر شاعر صاحب نظم ونثر کا قول یاد آیا۔

قافلے جانب احمد سے جو آتے تھے یہاں

حال دریافت پہ سنتا تھا نہایت اچھا

جب ملے ہم تو خدا کی قسم ان کانوں نے اس سے بہتر نہ سنا تھا۔ اور میں نے اپنے آپ کو اس مدح کی مراد وخواہش کی مقدار تک پہونچنے سے عاجز ودر ماندہ دیکھا۔ اور حضرت فاضل جلیل مذکور نے اللہ ان کے ثواب مضاعف کرے مجھ پر بڑا احسان کیا کہ یہ تالیف جلیل اور تصنیف پر دانش میرے دیکھنے میں آئی جس میں ان نئے گمراہ فرقوں کا حال لکھا ہے جو اپنی خبیث وکفری بدعتوں کے سبب کافر ہو گئے ہیں۔ تو میں نے گڑگڑانے کے لئے ہاتھ بلند کئے، صاحب شفاعت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے شفاعت چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے محافظت ایمان کی دعا کرتا ہوا کفر ومعصیت سے اس کی پناہ مانگتا ہوں اور یہ کہ سب مسلمانوں کو ان کافروں کی گمراہ کرنے کی سرایت عقائد سے بچائے۔ اور یہ کہ حضرت مؤلف کو سب سے بہتر جزا قیامت کے دن عطا کرے کہ وہ ایسے مقام پر ہوئے جس کا شکر سب مسلمان کریں۔ یعنی ان بطلان والے سخت مفتریوں کے رد اور ان کی رسوائیاں اور جھوٹی باتوں اور برائیوں کے بیان میں۔ اور کچھ شک نہیں کہ وہ سب لوگ جس عقیدہ پر ہیں حد درجہ فاسد اور باطل ہے جو نہ عقلوں کے نزدیک کسی طرح معقول، نہ نقلیں اس کی تصدیق کریں بلکہ نرے وہم اور جھوٹی بناوٹ کی باتیں ہیں، نہ اس کے لیے کوئی دلیل ہے، نہ شبہ جو ان کا عذر ہو سکے نہ کوئی تاویل، بلکہ وہ تو صرف نفسانی خواہش کی پیروی ہے جو معاذ اللہ ہلاکت میں ڈالنے والی ہے، اور بے شک اللہ سبحانہ نے فرمایا بلکہ لوگ اپنی خواہش نفس کے پیرو ہوئے بے جانے بوجھے، اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو نفس کا پیرو ہوا۔ زبان سے کہا اور اپنے قلم سے لکھا۔ مسجد حرام شریف میں طالب علموں کے ایک خادم محمد مرزوقی ابو الحسن نے

اللہ اسے بخشے۔

اقتباس تقریظ

حامی سنن ماحی فتن جلوہ گاہ لمعہائے نور مطلق مولانا شیخ محمد عبدالحق مہاجر مکی الہٰ آبادی۔حمد وصلوۃ کے بعد میں اس شرف والے رسالہ پر مطلع ہوااور خوشنما تحریراور زیبا تقریر جواس میں مندرج ہے دیکھی تو میں نے اسے ایسا پایا کہ اسی سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں نہ غیر سے۔اوروہی ہے جسے کان جی لگا کر سنے کہ اس کی خوبی اوراس کا فضل ظاہر ہے۔اس کے مصنف علامہ عالم جلیل دریائے ذخار، پرگو، بسیار، فضل، کثیر الاحسان، دلیر،دریائے بلند ہمت،ذہین دانشمند،بحر ناپیدا کنار،شرف وعزت وسبقت والے،صاحب ذکاء،ستھرے ،نہایت کرم والے ہمارے مولیٰ کثیر الفہم حاجی احمد رضا خاں نے کہ وہ جہاں ہوں اللہ ان کا حامی ہواوران کے ساتھ لطف فرمائے۔اس تفصیل وتحقیق وربط وضبط میں اورتدقیق میں راہ صواب پائی۔انصاف کیا،عدل ورہنمائی وہدایت کی ،تو واجب ہے کہ صبح کے وقت اسی تحقیق کی طرف رجوع کیا جائے اوراسی پر اعتماد ہوتو اللہ اسے پوری جزا بخشے اوران پر انتہا درجے کی اپنی نعمتیں کثیر ووافر کریں۔لکھا اسے بندۂ ضعیف نے کہ اپنے رب رہنما کی حرم میں پناہ لیے ہے۔محمد عبدالحق ابن حضرت شاہ محمد الہ آبادی اللہ ان دونوں کے ساتھ اپنے فضل وکرم کا معاملہ کرے۔

اقتباس:ازتقریظ زینت الزمان وحسنۃ الآوان حضرت مولانا سید اسمٰعیل خلیل محافظ کتب حرم محترم۔

حمد وصلوۃ کے بعد میں کہتا ہوں کہ یہ طائفے جن کا تذکرہ سوال میں واقع ہے، غلام احمد قادیانی اوررشید احمد اور جواس کی پیروہو جیسے خلیل انبیٹھی اوراشرف علی وغیرہ ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں نہ شک کی مجال، بلکہ جوان کے کفر میں شک کرے بلکہ کسی طرح کسی

حال میں انہیں کافر کہنے میں تامل کرے اس کے کفر میں شبہ نہیں کہ ان میں کوئی تو دین متین کو پھینکنے والا ہے اور ان میں کوئی ضروریات دین کا انکار کرتا ہے، جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، تو دین اسلام میں ان کا نشان کچھ باقی نہ رہا۔ جیسا کسی جاہل سے جاہل پر بھی پوشیدہ نہیں کہ وہ جو کچھ لائے ایسی چیز ہے جسے سنتے ہی کان پھینک دیتے ہیں، اور عقلیں اور طبیعتیں اور دل اس کا انکار کرتے ہیں، نیز میں پھر کہتا ہوں کہ میرا گمان تھا کہ یہ گمراہان گمراہ گر فاجر کافر دین سے خارج، انہیں جو بد اعتقادی حاصل ہوئی اس کا مبنیٰ بد فہمی ہے کہ عبارات علمائے کرام نہ سمجھے، اور اب مجھے ایسا علم یقین حاصل ہوا جس میں اصلا شک نہیں۔۔۔۔ کہ یہ کافروں کے یہاں کے منادی ہیں۔۔ دین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو باطل کرنا چاہتے ہیں، تو ان میں کسی کو اصل دین کا انکار کرتے پائے گا اور ان میں کوئی ختم نبوت کا منکر ہو کر ختم نبوت کا مدعی ہے، اور کوئی اپنے آپ کو عیسیٰ بتاتا ہے، اور کوئی مہدی اور ظاہر میں ان سب میں ہلکے اور حقیقت میں ان سب سے سخت وہابی ہیں خدا ان سب پر لعنت کرے۔ ان سب کو رسوا کرے ان کا ٹھکانہ اور ان کا مسکن جہنم کرے، بے پڑھے جاہلوں کو جو کہ چوپایوں کی طرح ہیں، دھوکے دیتے ہیں کہ وہی پیروان سنت ہیں اور ان کے سوا اگلے نیک امام اور جوان کے بعد ہوئے بد مذہب ہیں۔ اور سنت روشن کے تارک ومخالف ہیں، اے کاش میں جانتا کہ گروہ سلف کرام طریقہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطیع نہ تھے، تو طریقہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیرو کون ہے۔ اور میں اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس نے عالم باعمل کو مقرر فرمایا جو فاضل کامل ہے، منقبتوں اور فخروں والا، اس مثل کا مظہر کہ اگلے پچھلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے۔ یکتائے زمانہ، اپنے وقت کا یگانہ، مولانا حضرت احمد رضا خاں بڑے احسان والا، پروردگار اسے سلامت رکھے ان کی بے ثبات حجتوں کو آیت اور قطعی حدیثوں سے باطل کرنے کے لئے، اور وہ کیوں نہ ایسا ہو کہ علمائے مکہ اس کے لئے ان فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں، اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتا تو علمائے مکہ اس کی

نسبت یہ گواہی نہ دیتے ۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس کے حق میں اگر یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو البتہ حق وصحیح ہے ۔

خدا سے کچھ اس کا اچنبا نہ جان

کہ اک شخص میں جمع ہوں سب جہان

تو اللہ تعالیٰ اسے دین اور دینداروں کی طرف سے سب میں بہتر جزا عطا کرے، اور اسے اپنے احسان وکرم سے اپنا فضل ورضا بخشے ۔ اسے اپنی زبان سے کہا اور اپنے قلم سے لکھا اپنے جلال والے رب کے معانی کے امید وار حرم مکہ کی کتابوں کے محافظ سید اسمعیل ابن سید خلیل ۔

اقتباس ۔ تقریظ اجل خلفاء المولوی الشاہ الحاج امداد اللہ صاحب مہاجر مکی مولانا الشیخ احمد المالکی ۔ مدرس الحرم شریف ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسی کے لئے حمد واحسانات ہیں جس نے اسلام کے ستون مستحکم کئے، اور اس کے نشان قائم فرمائے، کمینوں کی عمارت ہلا دی، اور ان کے پانسے اوندھے کر دیئے، اور ہمارے سردار محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دروازہ نبوت کا بند کرنے والا اور انبیائے کرام کا خاتم کیا ۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار مولیٰ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوقات الٰہی سے بہتر ہیں جو کچھ ہو گزرا اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کے علم کے ساتھ مخصوص کیا، اور وہ شفیع ہے اور ان کی شفاعت مقبول ہے، اور انہی کے ہاتھ حمد کا نشان ہے، اور ان کے بعد آنے والے قیامت کے دن حضور ہی کے زیر نشان ہوں گے ۔

حمد وصلوۃ کے بعد کہتا ہوں بندۂ ضعیف اپنے رب لطیف کے لطف کا امیدوار احمد مکی حنفی قادری چشتی صابری امدادی کہ میں اس رسالہ پر مطلع ہوا جو چار بیانوں پر مشتمل ہے، قطعی دلیلوں سے مؤید اور ایسی حجتوں سے جو قرآن وحدیث سے ثابت کی گئیں ہیں ۔

گویا وہ بے دینوں کے دل میں بھالے ہیں، میں نے اسے تیز تلوار پایا کافر فاجر وہابیوں کی گردنوں پر، تو اللہ مؤلف کو سب سے اچھی جزا عطا فرمائے اور ہمارا اور اس کا حشر زیر نشان سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ دریائے ذخار ہے صحیح دلیلیں لایا جن میں کوئی علت نہیں، وہ سزاوار ہے کہ اس کے حق میں کہا جائے کہ وہ حق و دین کی مدد کرنے اور بے دینوں سرکشوں کی گردنیں قلع قمع کرنے پر قائم ہے۔ سن لو وہ پرہیز گار فاضل صاف ستھرا کامل ہے پچھلوں کا معتمد اور اگلوں کا قدم بقدم فخر اکابر مولانا مولوی حضرت احمد رضا خاں۔۔۔۔ اللہ اس کے امثال کثیر کرے اور مسلمانوں کو اس کی دراز ئ عمر سے نفع بخشے۔ اے اللہ ایسا ہی کر۔ کچھ شک نہیں کہ یہ طائفے صریحا دلیلوں کو جھٹلا رہے ہیں، تو ان پر کفر کا حکم لگایا جائے گا تو سلطان اسلام پر کہ اللہ اس سے دین کی تائید کرے اور اس کی تیغ عدل سے سرکشوں بد مذہبوں مفسدوں کی گردنیں توڑے جیسے یہ گمراہ فرقے طاعت سے نکلے ہوئے دہریے بے دین ہیں۔ واجب ہے کہ ایسے کی آلودگی سے زمین کو اور ان کے اقوال کی قباحتوں سے لوگوں کو نجات دے۔

(پھر کہا) نیز سلطان اسلام پر واجب ہے کہ ان لوگوں کو سخت سزا دے یہاں تک کہ حق کی طرف واپس آئیں اور راہ ہلاکت کے چلنے سے بچیں اور اپنے کفر اکبر کے شر سے بچیں۔ اگر توبہ نہ کریں تو ان کی جڑ کاٹنے کے لئے اللہ اکبر کا نعرہ کرے۔ اس لئے کہ یہ دین کے بڑے اہم کاموں سے ہے۔ اور ان افضل باتوں سے کہ فضیلت والے اماموں اور عظمت والے سلطانوں نے جس کا اہتمام رکھا ہے۔ اور بے شک امام غزالی نے ایسے ہی فرقوں کے حق میں فرمایا ہے کہ حاکم کو ان میں سے ایک کا قتل ہزار کافروں کے قتل سے زیادہ بہتر ہے کہ دین میں ان کی مضرت زیادہ سخت تر ہے۔ اس لئے کہ کھلے کافر سے عوام بچتے ہیں۔ سمجھے ہوئے ہیں کہ اس کا انجام برا ہے۔ تو وہ ان میں سے کسی کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور یہ تو لوگوں کے سامنے عالموں اور فقیروں اور نیک لوگوں کی وضع میں ظاہر ہوتے ہیں اور دل میں

یہ کچھ فاسد عقیدے اور بری بدعتیں بھری ہوتی ہیں۔ عوام تو ان کا ظاہر ہی دیکھتے ہیں جس کو انہوں نے خوب بنایا ہے اور ان کا باطن ان قباحتوں اور خباثتوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ اسے پوری طور پر نہیں جانتے بلکہ اس پر مطلع نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ وہ جن سے ان کا باطن پہچانا جائے ان تک ان کی رسائی نہیں تو ان کی ظاہری صورت سے دھوکہ کھاتے ہیں۔ اور اس کے سبب انہیں اچھا سمجھ لیتے ہیں۔ یہ ان کے گمراہ اور بہکنے کا سبب ہوتا ہے۔ تو اس فساد عظیم کے سبب امام عارف باللہ محمد غزالی نے فرمایا...... کہ حاکم کو ایسوں میں سے ایک کا قتل ہزار کافر کے قتل سے افضل ہے۔ اور ایسا ہی مواہب لدنیہ میں ہے۔ جو کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان گھٹائے قتل کیا جائے۔ تو اس کا کیا حال ہے جو اللہ عز وجل کو اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عیب لگائے وہ بدرجہ اولیٰ سزائے موت کا مستحق ہے۔ تو اللہ ہی کی طرف مناجات ہے۔ تو یہ ہے جو اپنی زبان سے کہا اور اپنے ہاتھوں سے لکھا۔ اپنے رب سے معافی کے امیدوار احمد مکی حنفی ابن شیخ محمد ضیاء الدین قادری چشتی صابری امدادی جو کہ حرم شریف اور مکہ معظمہ کے مدرسہ احمدیہ میں درس دیتا ہے۔ اللہ ان دونوں کے گناہ بخشے اور اس کا مددگار اور معین ہو حمد کرتا ہوا اور درود و سلام بھیجتا ہوا۔

معاصرین کے تاثرات

اعلیٰ حضرت قبلہ کی جامعیت کو اپنوں نے تو ہندوستان سے عرب اور افریقہ تک بہت سراہا ہے۔ اگر اپنوں ہی کے خیالات جمع کئے جائیں تو یہ مضمون ایک ضخیم کتاب ہے ، یہاں میں چند مخالفین کے خیالات پیش کرتا ہوں۔ یہ واقعہ جو میں پیش کر رہا ہوں اس کے راوی سید مدنی میاں صاحب ہیڈ کانسٹبل مرحوم تھے۔ اعلیٰ حضرت کے وصال کے زمانے میں سید صاحب مراد آباد میں تعینات تھے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے وصال فرمانے کا تار جب حضرت استاذ العلماء مولانا نعیم الدین صاحب کے نام پہونچا تو آپ نے فوراً طلباء کے

ایک گروہ کو مامور کیا کہ وہ شہر میں اعلان کر دے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے آج جمعہ کے وقت داعیٔ اجل کو لبیک کہا ہے کل دفن ہوں گے۔ جو صاحب شریک ہونا چاہیں وہ بریلی چلیں۔ یہ اعلان جب شاہی مسجد مراد آباد کے قریب پہنچا تو وہاں مغرب کی جماعت ہو چکی تھی۔ میں تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور قریب ہی مولوی فخر الدین جو عقیدۃً وہابی اور مدرسے میں صدر مدرس تھے۔ وہ اپنے چند معتقدین میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اعلان اس طرح ہو رہا تھا کہ پہلے اعلان کرنے والا سنارا گروہ بیک آواز نعرۂ تکبیر بلند کرتا۔ پھر ایک طالب علم اعلان کرتا کہ آج عین جمعہ کے وقت اعلیٰ حضرت قبلہ کا وصال ہو گیا ہے کل دفن ہوں گے۔ جو صاحب شرکت کرنا چاہیں بریلی چلیں۔

مولوی فخر الدین صاحب نے جب یہ آوازیں سنیں تو انہوں نے ایک طالب علم کو حکم دیا، دیکھو بازار میں کیا اعلان ہو رہا ہے۔ طالب علم گیا اور اس نے آ کر خوشی کے لب ولہجہ میں یہ کہا کہ خاں صاحب بریلوی ختم ہو گئے۔ اس پر مولوی فخر الدین صاحب بہت برا فروختہ ہوئے اور کہا کہ یہ مسلمانوں کے لئے خوش ہونے کی بات ہے یا خون کے آنسو رونے کی۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب سے ہماری مخالفت اپنی جگہ تھی مگر ہمیں ان کی ذات پر اک ناز تھا۔ غیر مسلم قوموں سے آج تک ہم فخر سے یہ کہہ سکتے تھے کہ دنیا بھر کے علوم اگر کسی ایک ذات میں جمع ہو سکتے ہیں تو وہ مسلمانوں ہی کی ایک ذات ہو سکتی ہے۔ دیکھ لو ہمیں میں اور صرف ہمیں میں ایک ایسی شخصیت مولوی احمد رضا خاں کی موجود ہے جو دنیا بھر کے علوم میں یکساں مہارت رکھتی ہے۔ ہائے افسوس آج ان کے ساتھ ہمارا یہ فخر بھی گیا۔

دوسرے واقعہ کا بھی یہاں ذکر کر دینا ضروری ہے وہ خود مولوی اشرف علی صاحب کی زبان سے اعتراف حقیقت ہے۔ بریلی سے ان کے کسی مرید نے اعلیٰ حضرت قبلہ کے وصال پر اشرف علی صاحب کو مسرت کا تار دیا جو تھانہ بھون پہنچا۔ جب تار کا مضمون راوی صاحب ہی نے ان کو سنایا تو ان کے چہرہ پر غم کے آثار نمودار ہوئے اور انہیں نے انا للہ و

انا الیہ راجعون پڑھی، حاضرین میں خبر وفات پر مسرت کی لہر دوڑ چکی تھی۔ حاضرین میں سے ایک نے مولوی اشرف علی صاحب سے کہا کہ انہوں نے آپ کی تکفیر کی اور آپ ان کی موت پر انا للہ پڑھتے ہیں۔ مولوی اشرف علی صاحب نے اس کا جواب دیا کہ وہ عشق رسول مقبول میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انہوں نے جو کچھ میری نسبت لکھا وہ اپنی جگہ صحیح تھا۔ اگر میں ان کی جگہ ہوتا اور وہ میری جگہ ہوتے اور ان کے قلم سے یہ الفاظ سرزد ہوتے تو میں بھی ان کی تکفیر ہی کرتا۔ اس وقت خورشید علی خاں صاحب جو غالبا مولوی اشرفعلی صاحب کے مرید یا معتقد تھے۔ وہاں موجود تھے انہوں نے ہی تار پڑھا تھا۔ وہ محکمہ نہر میں اور سیر سے ایس ڈی او تک ہوئے۔ بریلی تبدیل ہوکر آئے تو انہوں نے خود یہ واقعہ بیان کیا۔

مجھے تو گروہ مخالفین کے ایک سرگروہ اور ان کی جماعت کے ممتاز مولوی کی یہ بات خوب یاد ہے کہ ہمارے پاس مولوی احمد رضا خاں کے قلم کا اور مولوی (ہدایت رسول صاحب) کی زبان کا کوئی جواب نہیں ہے۔ آج سے کم وبیش پچاس برس پہلے کی بات ہے کہ مخالفین کا سارا گروہ مراد آباد میں جمع ہوا اور وہاں مناظرہ طے کرنے کے لئے اعلیٰ حضرت قبلہ سے تحریریں چلیں۔ مخالفین اپنی جماعت میں سے جن صاحب کو مقابلہ کے لئے تجویز کر رہے تھے انہوں نے بایں الفاظ انکار کردیا کہ میں مولوی احمد رضا خاں کی ایک ٹکر کا نہیں ہوں'' آپ صاحبان میں سے کوئی صاحب ان کے مقابلے میں اترنے کو تیار ہوں تو مناظرہ کر لیجئے۔ غرضیکہ ان کی غیر معمولی علمی قابلیت سے مخالفین بھی ہمیشہ جھکتے ہی رہے اور اعتراف بھی کرتے رہے۔ و الفضل ما شهدت به الاعداء۔

منقبت

سرور بجنوری

حکمت و دانش کے بحر بیکراں

رہروان حق کے میر کارواں
گلشن نعت و ثنا کے باغباں

آبیاری تو نے کی اسلام کی
حکمت و دانش کے بحر بیکراں

قابل تعریف ہے تیرا قلم
لائق توصیف ہے تیری زباں

تو نے پھیلائی ضیا ایمان کی
دور کر دیں کفر کی تاریکیاں

پائی تجھ سے بے نواؤں نے نوا
بے زبانوں کو ملی تجھ سے زباں

اللہ اللہ تیرا فیض رہبری
راہ حق پر آ گئے صدہا جواں

ملک سارا جگمگانے لگ گیا
تو ہوا اس شان سے جلوہ فشاں

موتیوں سے پر ہے تیری ہر کتاب

مخزن عرفاں ہے تیرا ہر بیاں

تو نے سمجھائے مسائل دین کے

ہیں ثنا خواں تیرے سب خورد و کلاں

تو نے جن خدمات کی تکمیل کی

تیرے جوہران سے ہوتے ہیں عیاں

دیکھ کر اسلوب تیری فکر کا

ہو گئے منکر بھی قائل بے گماں

ہر نفس تیرا فنا تھا عشق میں

عاشق محبوب خلاق جہاں

کس قدر ہے تیری نعتوں میں سرور

گونجتا ہے جن کی لے سے آسماں

سرور بجنوری

منقبت

مولانا عبدالرحمٰن ازھرالقادری الاشرفی خطیب لندن

یہ عاشق رسول ہے
نبی کا ایک پھول ہے
اسی سے دیکھئے چمن میں رنگ و بو کی دھول ہے
مہک رہی ہے سنیت
چمک رہی ہے رضویت
یہ کس کی ذات پاک ہے
یہ کون عالی مرتبت
قلم کا بادشاہ ہے مجدد اصول ہے
یہ بالیقین ہے رضا
اے قادری بے نوا
پسند خاص و عام ہے
قرار صبح و شام ہے
زباں پہ ہے یہی سخن ہمارا یہ امام ہے
نظر اٹھی تو آئینے
سنور گئے نکھر گئے
زباں کھلی قلم اٹھا

تو علم وفن بکھر گئے

عجم کو اس پہ رشک ہے　　　عرب میں اس کا نام ہے

یہ بالیقین ہے رضا

اے قادری بے نوا

منقبت

پروفیسر فیاض احمد خاں ''کاوش'' وارثی
(صدر شعبۂ اردو شاہ عبداللطیف گورنمنٹ کالج میر پور خاص سندھ)

قبلۂ دین و کعبۂ ایماں، اعلیٰ حضرت مجدد ملت
راحت قلب و رحمت یزداں، اعلیٰ حضرت مجدد ملت

بوحنیفہ کے علم کا جوہر غوث الاعظم کے فقر کا گوہر
نافع دیں و دافع عصیاں، اعلیٰ حضرت مجدد ملت

کفر والحاد کے اندھیروں میں ہو ضیائے چراغ مصطفوی
دینِ حق کے ہو نیر تاباں، اعلیٰ حضرت مجدد ملت

مصطفیٰ کا ادب سکھاتے ہیں، راہِ عشق نبی دکھاتے ہیں
الفت اہلبیت پر نازاں، اعلیٰ حضرت مجدد ملت

خوب کھولے دقائق قرآں، ترجمہ سے سلیس اور آساں
رہبر راہِ منزل عرفاں، اعلیٰ حضرت مجدد ملت

آپ کے ذہن کے شکنجہ میں قید تھے نصف صد علوم وفنون
علم و حکمت ہے آپ پر نازاں، اعلیٰ حضرت مجدد ملت

زہد و تقویٰ عشق و الفت کی آپ کی ذات اک مرقع تھی
جس کا کوئی مقابل نہیں یاں، اعلیٰ حضرت مجدد ملت

بے یقینی کو دور کر دیجئے عشقِ نبی کو بھر دیجئے
ساغروں میں ساقیٔ عرفاں، اعلیٰ حضرت مجدد ملت

حرمتِ دامنِ نبی کی قسم، اہل سنت کا عہد ہے ''کاوش''
اب نہ چھوڑیں گے آپ کا داماں، اعلیٰ حضرت مجدد مِلت